درس حدیث

محمد اظہر مدنی

اللہ ہی داتا ہے

عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لو انکم تتوکلون علی الله حق توکله لرزقکم کما یرزق الطیر، تغدو خماصا و تروح بطانا" (اخرجه الترمذی/کتاب الزهد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم/ باب فی التوکل علی الله (٤/ ٥٧٣–٢٣٤٤) وابن ماجه /کتاب الزهد/باب التوکل والیقین (٢/ ١٣٩٤–٤١٦٤) واحمد (١/ ٣٣٢–٢٠٥)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کہ اگر تم اللہ پر اس طرح بھروسہ کرو جس طرح بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں ایسے ہی رزق دیگا جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے جو صبح کے وقت خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کے وقت پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔

تشریح: رزق کا معاملہ بہت ہی اہم اور حساس ہے۔ انسان اپنی پوری زندگی اسی نقطہ پر ختم کر دیتا ہے کہ وہ کیسے اور کہاں سے رزق حاصل کرے؟ اور اس کے لیے جتنے وسائل واسباب ہو سکتے ہیں سب اختیار کرتا ہے۔ بسا اوقات حلت وحرمت کی بھی تمیز نہیں رکھتا اور کسب معاش کے لیے اپنا ایمان وعقیدہ بھی خراب کر بیٹھتا ہے اللہ واحد کی ذات میں شرک بھی کر ڈالتا ہے اور توکل جیسی عظیم عبادت جو صرف اللہ تعالیٰ قادر مطلق کے لیے خاص ہے اس میں بھی شرک کرتا ہے اور اللہ کی ذات پر جس طرح توکل کرنا چاہئے تھا اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور غیر اللہ پر توکل کرتا ہے، اسی کو داتا سمجھتا ہے جبکہ ایک بندہ مومن کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ اللہ کی ہی وہ ذات ہے جو رزق دینے والی ہے اسکے علاوہ کوئی نہیں جو کسی کو رزق پہونچائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ہی رزّاق رکھا ہے۔ جس کا نام ہی رزاق ہو اور جس کی صفت معطی ہو اس پر توکل اور اعتماد اسی کے شایان شان ہونا چاہئے۔ اس سے چاہے جتنا مانگا جائے کم ہے اور وہ چاہے جتنا دے اس کے خزانے میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کمی نہیں ہو سکتی۔ اور رزق جس کے تعلق سے انسان اتنا پریشان رہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے تمام مخلوقات کو روزی پہونچانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں ہر انسان بلکہ ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے مستفید ہو رہی ہے اور اسے اللہ کی طرف سے رزق مل رہا ہے اور تقسیمات رزق میں کوئی تفریق بھی نہیں ہے کہ وہ مومن ہے یا کافر، فاسق ہے یا فاجر، نیک ہے یا برا، حیوان ہے یا انسان۔ ہر ایک کو روزی مل رہی ہے اور وہاں سے مل رہی ہے جہاں سے وہ وھم وگمان بھی نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن جب انسان کا ایمان کمزور ہو اللہ کی ذات پر توکل واعتماد نہ ہو تو وہ بہت ساری چیزوں سے محروم ہو جاتا ہے اور در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے اور اگر یہی توکل واعتماد اللہ کی ذات پر اس طرح ہو جس طرح اس کا حق ہے تو وہ ایسے ہی رزق دیگا جیسے خالی پیٹ بے حال پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّاعَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا '' (ھود:٦) زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں یعنی وہ کفیل وذمہ دار ہے۔ زمین پر چلنے والا ہر مخلوق انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو بڑی، بحری ہو یا بری ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضرورت کے مطابق وہ خوراک مہیا کرتا ہے۔ اور ایک مقام پر فرماتا ہے ''مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ. اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ '' (الذاریات:٥٧-٥٨) نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔ اور سورہ حجر آیت ٢١ میں ارشاد فرماتا ہے: ''وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ، وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ '' اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس کے مقرر انداز سے اتارتے ہیں۔ اور سورہ روم آیت نمبر ٤٠ میں اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: ''اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ، هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ '' اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر روزی دی پھر مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا بتاؤ تمہارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو؟ اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی اور برتری ہے ہر اس شریک سے جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں اور ایک دوسرے مقام پر وعدہ کئے گئے رزق کا ذکر فرماتا ہے'' وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ '' (الذاریات:٢٢) آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

جس رزق کے بارے میں اتنی صاف اور واضح تعلیمات جاری کی گئی ہوں اور وہ بھی وعدہ کی شکل میں ہو تو ایسی صورت میں ہمارے ایمان میں مزید اضافہ ہونا چاہئے اور اللہ کی ذات پر توکل اور اعتماد ہونا چاہئے اور اس کا شکر بجالانا چاہئے اور قضاء وقدر پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ تنگی وخوشی دونوں صورتوں میں رب سے راضی برضا اور خوش رہنا چاہئے اور رزق کے جو حلال وسائل ہیں جس کی طرف شریعت نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے ان کو اپنانا چاہئے اور ان اسباب ووسائل کو اختیار کر کے خوب خوب محنت کرنی چاہئے اور حرکت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے کیوں کہ حرکت میں ہی برکت ہے اور ہماری شریعت نے ہم سے زیادہ سے زیادہ مال کمانے کی ترغیب دی ہے اور اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ انبیاء کرام کا پیشہ تجارت رہا، بھیک مانگنا نہیں۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ الہ العالمین ہم لوگوں کو رزق حلال کے اسباب مہیا فرمادے اور ایمان، توکل واعتماد پر ثابت قدمی عطا فرمادے اور جب ہمارا خاتمہ ہو تو اس عقیدہ کے ساتھ ہو کہ تو ہی داتا ہے۔ تیرے علاوہ کوئی قطمیر کا بھی مالک نہیں ہے۔ وصلی اللہ علیہ علی النبی وسلم تسلیما کثیرا۔

☆☆☆

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طہ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
دعوت دین-ضرورت واہمیت	۸
محبت رسول ایمان کا لازمی حصہ ہے	۱۰
رحمۃ للعالمین اور کثرت ازدواج	۱۴
گاؤں محلّہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجئے	۱۸
ائمہ اربعہ اور سلفیت	۱۹
حقوق العباد کی اہمیت	۲۲
بچوں کی تربیت اہم ذمہ داری	۲۴
جدید اردو نثر کے ارتقاء میں مکاتیب سرسید کا کردار	۲۷
جماعتی خبریں	۳۰
اشتہار اہل حدیث منزل	۳۱
کلینڈر ۲۰۲۳ء	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک
سالانہ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ۷/روپے
پاکستان ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

ابو مصلح الکریمی

مدارس
اندیشہ ہائے دراز وتمنائے فراز کے درمیان

مدارس اسلامیہ دین کے حقیقی قلعے اور انسانیت سازی کے عظیم کارخانے ہیں۔ ہر دور اور ہر زمانے میں اس کی اہمیت وضرورت اور معنویت مسلم رہی ہے اور تاصبح قیامت باقی رہے گی۔ ''کیوں کہ یہ کسی بھی ملک وملت کی قوت کا حقیقی سرچشمہ ہیں۔ اس کو مبلغ، داعی، امام، خطیب، مدرس، مرشد وناصح، واعظ، مفتی اور ایماندار، امانت دار وفرض شناس حاکم، آفیسر، ڈاکٹر، انجینئر اور مورخ یہیں سے حاصل ہوتے ہیں۔ عام دینی مسائل میں رہنمائی سے لے کر دنیاوی معاملات کو ایمانداراانہ برتنے کے لیے انہی مدارس اور اس کے فارغین کی ضرورت پڑتی ہے۔ قوم کی دینی رہنمائی اور قیادت وسیادت کا کام انہی کا مرہون منت ہے۔ اگر تعصب وعناد کی عینک ہٹا کر کھلی آنکھوں سے ان مدارس کی افادیت وضرورت کو دیکھنے کی زحمت گوارا کی جائے تو ایماندارانہ ومخلصانہ اور غیر جانبدارانہ سیاست بھی مدارس کے روحانی مزاج سے ہم آہنگ ہوئے بغیر نہیں چل سکتی، بلکہ وہ چنگیزی سیاست ہوگی اور اس میں لوٹ کھسوٹ، خودغرضی اور مفاد پرستی اور استحصال واستبداد کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مدارس اسلامیہ سرچشمہ خیر وفلاح، منبع علم وعرفاں، گہوارۂ سعادت وسیادت اور مداوائے زخمہائے انسانیت ہیں۔ یہ وہ عظیم دینی گہوارے ہیں جہاں سے ہر دور میں امت کی نگہبانی اور ملک وملت کی پاسبانی کے فرائض انجام دیئے گئے ہیں۔ بلاشبہ یہ تعلیمی ادارے پوری انسانیت کے لئے باعث فخر وناز ہیں۔ کیوں کہ مادی فیضان اور طغیان کے بطن سے جنم لینے والے طوفان وحوادث کا مردانہ وار مقابلہ کرنے اور اس کے موذی ومہلک جراثیم سے انسانیت کو بچانے کے لیے نسخۂ کیمیا اور روحانی علاج یہ مدارس دینیہ ہی فراہم کرتے ہیں۔ مادیت کی ماری دنیا ہر دور میں جس بے چینی وبے یقینی وبے اطمینانی کی زندگی گزارتی ہے اس کو اطمینان والی زندگی انہی درسگاہوں سے حاصل ہوتی ہے۔

ایسے مدارس کا قیام جن عظیم مقاصد کے تحت عمل میں آیا تھا ان کے اثرات

عالم آشکارا ہیں۔ دینی، ملی، ملکی، اخلاقی، سماجی، رفاہی، اصلاحی وانسانی خدمات کا لازوال کارنامہ ان ہی مدارس نے انجام دیا ہے اور اس کے تربیت یافتگان نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو عظیم خدمات سرانجام دی ہیں وہ زریں لفظوں میں لکھنے کے لائق ہیں اور بحیثیت فرد، جماعت اور حکومت سب کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں کہ وہ ان مدارس کا شکریہ ادا کریں اور ان کے حقیقی اصلاحی کارناموں کو خراج عقیدت پیش کریں۔ ان مدارس نے انہیں احکام اور سنہری تعلیمات کو عام کیا اور بلا کسی امتیاز اور بھید و بھاؤ کے خالق ومخلوق کے رشتہ کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرکے اس کو بے شمار گمراہیوں، معصیت، تعصب و نفرت اور ظلم وتعدی اور شر وفساد سے تحفظ بخشا ہے اور ہر طرح کے رسوم ورواج اور لوٹ وکھسوٹ، قتل وغارت گری، خونریزی، سرکشی، حسد وعناد اور بے شمار معاشرتی، سماجی، اقتصادی، فوجی، عدالتی وغیرہ جرائم کو معاشرے سے اکھاڑنے کا کام دینی وملکی وانسانی فریضہ سمجھ کر انجام دیا ہے جن کو حکومتوں کی مختلف الوسائل اور سرگرم مشنریاں بھی انسانی بنیادوں پر انجام دینے سے قاصر رہیں۔ یہاں جرم وفساد کی روک تھام کے لیے انسانی سزاؤں اور پہریداروں کے وقتی بچاؤ سے کام نہیں لیا جاتا، بلکہ یہاں تو دلوں کی دنیا بدل کر شر وفساد کے جوہڑ سے نکال کر امن وشانتی اور خیر وصلاح کے سرچشمہ سے ہم کنار کیا جاتا ہے۔ یہاں انسانوں کو حقیقی انسان بنانے کا کام لیا جاتا ہے۔

تعلیم جو انسان کی اولین اور اہم ضرورت ہے۔ جس پر حکومت کھربوں روپئے سالانہ خرچ کرتی ہے پھر بھی ہندوستان جیسے ملک میں ایک بڑی آبادی بنیادی تعلیم سے محروم ہے۔ ملکی آبادی کا ایک معتدبہ حصہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ اور اس کی تعلیمی پسماندگی بھی معروف ومسلم ہے۔ اتنی بڑی مسلم آبادی کی ناخواندگی کو ملکی ترقی کے لیے رکاوٹ کے طور پر اور اسے اہم مسئلہ بنا کر شد ومد سے اٹھایا جاتا ہے اور باور کرایا جاتا ہے کہ مسلمان قومی دھارے میں شریک وسہیم نہیں بلکہ تعلیم سے الگ رہ کر ملک کو کمزور کر رہے ہیں۔

ان حالات وظروف میں ملک کے اندر خصوصا ان جگہوں پر جہاں عوام لقمہ لقمہ کے محتاج ہیں مواصلات اور آمد ورفت کے راستے مسدود ہیں۔ ایسی جگہوں پر خالص انسانی ہمدردی اور رہنمائی کے لیے کن کن کٹھنائیوں سے گزر کر ان مدارس کا قیام عمل میں آتا ہے اور یہ مدارس اسلامیہ ملک وملت کے ان جگر پاروں کو کس طرح تعلیم وتربیت سے آراستہ کرکے ملک وملت کے لیے مفید بناتے ہیں، اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔ ان مدارس کی ہی دین ہے کہ بے شمار بندے شاہ راہ ہدایت پر گامزن ہوئے ہیں اور بے شمار خرافات اور گمراہیوں سے نجات حاصل ہوئی ہے۔ اور ان مدارس نے فرد کی اصلاح سے لے کر قوم وجماعت اور ملک کے لیے مختلف میدانوں میں عظیم خدمات انجام دی ہیں جو ناقابل فراموش وناقابل انکار ہیں۔

تعصب وتنگ نظری سے دور ہٹ کر انصاف سے کام لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان مدارس اسلامیہ کے فضلاء نے عصری علوم حاصل کرنے کے بعد ملک کی جو ایماندارانہ خدمات انجام دی ہیں وہ ہماری ملکی وقومی میراث کا عظیم حصہ ہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدارس کے نصاب کو عمومیت کے ساتھ دقیانوسیت سے تعبیر کرنا بیجا الزام ہے۔

ہندوستان میں تعلیم نسواں کا معاملہ بھی بہت اہمیت کا حامل رہا ہے ان کی تعلیمی پسماندگی بالکل واضح ہے۔ اس میں مسلم خواتین کی تعلیمی پسماندگی اظہر من الشّمس ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات تعجب انگیز طور پر دلچسپ ہے کہ مسلم عورتوں کی ناخواندگی کا سارا الزام مسلمانوں کے سر پر ہی نہیں بلکہ اسلام کے سر ڈالا جاتا ہے ان کی تعلیمی زبوں حالی کا رونا ہمدرد کی حیثیت سے حکومت سے لے کر ملک کے بہی خواہ روز روتے ہیں اور زبانی جمع خرچ آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ مگر اس سمت میں خاطر خواہ حل تلاش کرکے عملی اقدام کرنا خال خال ہی نظر آتا ہے۔ ایسے میں مدارس اسلامیہ خصوصا مدارس نسواں کے ذریعہ سے جو تعلیم نسواں کا صور پھونکا گیا ہے اس کے اثرات سے کسی کو مجال انکار نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ مدارس اسلامیہ کو ہی ہدف تنقید بنایا جائے اور اسے مورد الزام ٹھہرانے کی کوشش کی جائے۔

یہ مدارس کی ہی دین ہے کہ جمعہ و جماعت، کانفرنس وسمینار اور دیگر اجتماعات کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا عظیم کام انجام پاتا ہے۔ عائلی، خاندانی اور معاشرتی مسائل اور نزاعات روز بروز پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کی اصلاح وسدھار اور رفع دفع اور اس کے خاتمہ اور فیصلہ کا کام ان مدارس کے ذریعہ وسیع پیمانے پر ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے ہر طرح کے انحطاط اور تنزل کے باوجود جو بھرم قائم ہے اس میں مدارس کے کردار کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ بہت سے اخلاقی اور اصلاحی کام انہیں کے مرہون منت ہیں ان کا اعتراف تو کم از کم ہونا ہی چاہئے۔

قوم کے لاکھوں بچے یتیم وبے سہارا ہیں۔ جو نان شبینہ کے محتاج ہیں۔ ان میں سے کچھ کی خبر گیری اور تعلیم وتربیت کا کام ممکنہ حد تک ان مدارس کے ذریعہ ہی انجام دیا جاتا ہے۔ پھر بھی ہزاروں کی تعداد میں بچے اور بچیاں جن کا کوئی پرسان حال نہیں جہاں وہ مظلومیت اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں ان

کا مستقبل تاریک تر ہوتا جارہا ہے بلکہ سماج دشمن ملک دشمن اور ایمان واخلاق دشمن افراد واشخاص اور تحریکات کا شکار ہوکر ملک وقوم کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور ملک کے لیے ناسور بنتے جارہے ہیں۔ یہ معاشرے کا بوجھ ہیں۔ایسے میں ان مدارس کے ذریعہ ان کی کفالت اور پھر تعلیم سے آراستہ کرکے ملک وملت اور انسانیت کا خادم بنادینے کا کام ملک وملت کی عظیم خدمت ہے جس کا احساس ہر محبّ قوم وانسانیت کو ہونا چاہئے۔

بدقسمتی سے عالمی سطح پر پرزور دہشت گردانہ پروپیگنڈے کا اثر اس قدر عام ہے کہ اب دین کے ان قلعوں اور خدمت انسانیت کے ان مراکز کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیا جارہا ہے۔اور یہ باور کرایا جارہا ہے کہ ان مدارس میں فساد فی الارض کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جبکہ ان مدارس میں انسان کو حقیقی انسان بنایا جاتا ہے یہاں سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یعنی میں شروع کرتا ہوں ہر کام کو اس اللہ کے نام سے جو دنیا وجہاں پر نہایت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن "وہ سارے جہاں کا پالنہار ہے نہایت رحم کرنے والا اور انتہائی مہربان ہے۔ "ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء." اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "آپ کو سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ہر جاندار کے ساتھ مہربانی اور اچھا برتاؤ کرنا باعث اجر وثواب اور صدقہ ہے بلی کو باندھ کر بھوکا مار دینے پر جہنم کی وعید اور پیاسے کتے کو پانی پلانے پر جنت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔

یہاں یہ درس دیا جاتا ہے کہ انسان سب سے مکرم اور اشرف ہے۔ "ولقد کرمنا بنی آدم" انسان کی ہم نے بڑی تکریم کی ہے اسے اعزاز بخشا ہے اور خشکی وتری میں پھیلا دیا ہے اور بہت ساری مخلوقات پر فضیلت عامہ بخشی ہے۔ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ "ہم نے انسان کو سب سے بہتر ڈھانچے میں ڈھالا ہے۔تم انسان بھائی بھائی ہو۔سب ایک ماں باپ کی اولاد ہو۔کسی کالے کو کسی گورے پر کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت وبرتری حاصل نہیں۔الا یہ کہ تقوی اور پرہیزگاری میں کوئی فائق ہو اور یہ جان رکھو تم ایک ہی باپ آدم کی اولاد ہو اور وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔

یہ مدارس ہی کی تعلیم ہے کہ "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى" (الآیۃ) مرد وعورت جو بھی نیک اور درست کام کرے گا ہم اس کو پریشان حال اور مضطرب دنیا میں بھی خوشگوار اور اطمینان کی زندگی عطا کریں گے۔

یہاں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ جانی دشمن کے ساتھ بھی انصاف وعدل کا برتاؤ کرو۔اپنے نفس اور انا کے لیے انتقاماً بھی کسی کو نہ ستاؤ۔چھوٹوں پر رحم کرو اور بڑوں کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کرو۔مسکین کو کھانا کھلاؤ جاہل وگنوار سے درگزر کا معاملہ کرو۔بھلائی کا حکم دو برائیوں سے روکو یہ تمہارے بہترین فرد اور امت ہونے کی علامت ہے۔

تعلیم ،سلامتی اور امن وآشتی کو عام کرو۔خاندانی عصبیت ملکی وجغرافیائی اور رنگ ونسل کی بنیاد پر ساری ہی ناانصافیوں کو یکلخت مسترد کردو اور قانون و شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے تمام جاہلیت اور انسانیت دشمن رسوم اور رواج کو معاشرے سے اکھاڑ پھینکو اور یہ سب کچھ رب کی رضامندی اور انسانیت کی خدمت اور بھلائی کے جذبے اور نیت سے کرنے کا درس دیا جاتا ہے۔لوٹ کھسوٹ ،سود، رشوت ،غبن، انا، نشہ، کینہ وحسد اور عناد ودشمنی اور کبر ونخوت اور غرور کو یکسر حرام ہونے کی تعلیم یہیں دی جاتی ہے۔انسان دوستی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور درگزر سے کام لینے کے ساتھ قتل وغارت گری کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ مانا جاتا ہے۔ "من قتل نفسا بغیر نفس"، جس نے ایک نفس کو بھی بلا جرم اور فساد کے قتل کردیا گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کرڈالا۔اور جس نے ایک نفس کی جان بچائی گویا اس نے سارے انسانوں کو بچالیا۔ یہاں ناگزیر حالت جنگ میں بھی دشمن کے بچوں، بوڑھوں، عورتوں، عابدوں، زاہدوں اور عبادت گاہوں میں پڑے ہوئے لوگوں پر ہاتھ اٹھانا گناہ اور جرم قرار دیا جاتا ہے۔کھیتی اور باغات اور دیگر املاک اور اثاثے کو تلف اور خاکستر کرنے کو بھی جرم ہونا پڑھایا جاتا ہے۔حقوق نسواں کی تعلیم یہاں دی جاتی ہے ایک طرف جہاں ایک بچی کی بھی تعلیم وتربیت کردینے پر جنت کی بشارت سنائی جاتی ہے وہیں یہ درس دیا جاتا ہے کہ عورت ہر حال میں لائق تکریم اور احترام ہے جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے اور باپ بھائی اور دیگر مردوں کی طرح وہ بھی میراث میں حقدار ہے۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں سیکولرزم کے قیام سے دین واخلاق کی سچی سرپرستی کا معاملہ بھی محل نظر رہا، البتہ مسلمانوں نے اپنی خصوصی توجہ اور قربانی اور اسی سیکولر قانون کے ذریعہ دیئے گئے مذہبی وشہری حقوق کی روشنی میں مدارس اسلامیہ کا جال پورے ملک میں حتی الوسع پھیلایا اور اس کے ذریعہ دین کی حفاظت اور ملک وملت کی خدمت کا کام بڑے پیمانہ پر ہوا، ان کی دیگر ملکی وملی ورفاہی وسماجی خدمات بھی عالم آشکارا ہیں۔

الغرض ہندوستان میں وطن عزیز کو صالح بنیادوں پر تعمیر وترقی سے ہمکنار کرنے کے لیے سچے، ایماندار، فرض شناس، امن پسند اور انسانی اخوت ومحبت، رحم

ومروت سے سرشار شہری فراہم کرنے کے لیے مدارس اسلامیہ کی ضرورت ویسی ہی ناگزیر رہے گی، جیسے خود اسلام اور مسلمانوں کے اسلامی تشخص کے تحفظ وبقا اور نشرواشاعت کے لیے۔ کیوں کہ مدارس اسلامیہ جہاں دین کے قلعے ہیں، وہیں خدمت انسانیت کے مراکز بھی ہیں۔ لہذا ہر حال میں اور ہر دور اور زمانے میں مدارس کی اہمیت اور ضرورت مسلّم ہے۔''

مدارس اسلامیہ کی اہمیت وضرورت اور اس کے مثبت ومفید کردار پر کورونا کے دور میں متعدد مقالات ومضامین اور شذرات ونشرات قلمبند کئے گئے تھے۔ اس سے قبل بھی مدارس کے تعلق سے کچھ نہ کچھ لکھا جاتا رہا ہے، مگر ۲۰۰۶ء کے ابتدائی دور میں منظّم طور پر یہی نہیں کہ متعدد اہم پروگرام منعقد کیے گئے، بلکہ ایک عظیم الشان سمپوزیم بھی منعقد کیا گیا تھا جس میں ملک کی مقتدر شخصیات، سینکڑوں مدارس کے نمائندہ حضرات، مدارس کے ذمہ داران اور علماء کرام کے علاوہ خود مرکزی وزیر داخلہ، سابق وزیر اعظم اور بہت سی سیاسی وسماجی شخصیتوں نے شرکت کی تھی اور اظہار رائے وتبادلہ خیال کیا تھا اور تقریبا سب نے اس کی شفافیت، اس کے عظیم، مثبت اور ملک وملت اور انسانیت کی خدمت کے حوالے سے اس کے گراں قدر ولائق شکر وتعریف کردار کو بھی سراہا تھا۔ اس تاریخی موقع پر جہاں زبانی اور تقریری وتحریری (مذکورہ بالا تحریر بھی اسی کا حصہ ہے) بہت سی مفید اور اہمیت کی حامل باتیں ہوئیں تھیں وہاں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے مدارس اہل حدیث کے احصاء پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہوم منسٹر کے حوالے کی تھا اور انہی کے ہاتھوں اس کا اجراء بھی عمل میں آیا تھا۔ اس کتاب میں بہت سی بنیادی باتیں مقدمہ اور اس کے پیش لفظ میں لائی گئی تھیں جن سے بہت سی غلط فہمیاں جو مدارس کے تعلق سے پیدا کی جاتی ہیں دور کرنے کی کوشش ہوئی تھی۔ اسی طرح اس کے نام، نصاب اور تاریخ اور ابتداء وارتقاء کے مختلف مراحل کا تذکرہ بھی آیا تھا، آج نصاب تعلیم مدارس پر جو گفتگو ہو رہی ہے اس پر بھی مستقل مقالات اس کتاب کے شروع میں منسلک کردیئے گئے تھے۔ اس کے بعض مباحث اور مقالات کو انگریزی کا جامہ پہنا کر اور عرض ناشر اور مقدمہ کے طور پر انگریزی زبان میں بھی شامل اشاعت کردینے سے بہت سے مسائل انگریزی داں حضرات کے لیے آسان کردیئے گئے تھے اور استفادہ کی صورت غیر اردو داں طبقہ کے لیے نکال لی گئی تھی کہ '' مالا یدرک کله لا یترک جله'' اور اسے دیکھ کر وزیر داخلہ نے بھی مدارس کی انسانی خدمات کو سراہا تھا۔ اس کتاب میں تقریبا دو ہزار مدارس وجامعات کا احصاء کیا گیا ہے۔ ہر مدرسہ کے سن تاسیس اور موسس وبانی سے لے کر ضروری معلومات اس طرح دیدی گئی تھی کہ ایک آئینہ کی طرح مدرسہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔ سالانہ آمد وخرچ سے لے کر ذرائع آمدنی بھی خوبصورتی کے ساتھ درج کردی گئی ہے۔ ارباب مدارس نے کبھی بھی ان معلومات کو فراہم کرنے میں ادنی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور ہم نے بھی اسے من وعن تحقیق و دراسته کے بعد شائع کردیا تھا۔ اکثر مدارس کا جمعیت نے معائنہ کیا اور کرایا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک پر لطف بات یہ آئی کہ مدارس کے سلسلے میں جو بعض میڈیائی پروپیگنڈہ کے نتیجے میں اور کچھ متعصب ذہن ودماغ کے لوگ اور کچھ بھولے بھالے افراد اپنی سادہ لوحی اور انجانے میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں اس میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس میں کیا پڑھایا جاتا ہے اور کتنی قدامت پسندی برتی جاتی ہے؟ علاوہ ازیں اس کے دروں خانہ اور پس دیوار دریچاں اور اندرون چہار دیواری کیا سرگرمیاں انجام پاتی ہیں؟ یہ سب اندھیرے کی چیزیں ہیں جن سے شکوک جنم لے سکتے ہیں۔ ظاہر بات ہے غور وخوض کی بنیاد پر اندیشوں کا روگ پال لینے اور بدگمانیوں کا جنم داتا بننے سے ان کو کون روک سکتا ہے؟ ہوم منسٹر کے علم میں یہ بات بھی لائی گئی کہ اکثر مدارس وال باؤنڈری سے عاری ہیں اور یہ کھلے میدان اور کھیتوں میں چند کچے پکے کمروں میں چلتے ہیں تو اس کی چہار داری کے اندر مشکوک سرگرمیوں کا شوشہ چھوڑنا کتنا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔

الغرض اس وقت اپنے تاریخی خطاب میں وزیر داخلہ ہند نے صاف صاف اور ببانگ دہل کہا تھا کہ مدارس اسلامیہ خدمت انسانیت کے مراکز (مانوتا کے کیندر) ہیں، دہشت گردی وآتنک واد کے اڈے نہیں ہیں۔ انہوں نے مدارس کی روحانی تعلیم کی زبردست تعریف کی تھی اور اس کی ضرورت واہمیت کو مثالوں سے واضح فرمایا تھا۔

آج بھی مدارس کے سلسلہ میں اگر کسی طرح کی کوئی غلط فہمی کسی کے دل میں پائی جاتی ہے تو صاف صاف بات کرنی چاہئے۔ مدارس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اس کا نصاب تعلیم معلوم ومتعین ہے۔ اور اب تو اکثر مدارس وجامعات نے عصری علوم کی تدریس وتعلیم شروع کردی ہے۔ گرچہ مدارس کے میسر وسائل کے تناظر میں اس کو موثر اور اعلیٰ پیمانہ پر انجام دے لینا دشوار ہے۔ چند متعینہ مواد کے لیے اچھے مدرسین کا انتظام بھی اکثر مدارس کے لیے مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ مکمل عصری ودینی مواد کے لیے وہ اچھے اور لائق وفائق مدرسین کا بندوبست کرسکیں۔ مدارس کی تعلیم کے معیار پر بات کرتے ہوئے من جملہ دیگر امور کثیرہ کے ایک مخلص ومجبور انسان خود ہی تدریس ونظامت، محصل اور رضا کار وخدمتگار کا کام انجام دیتا ہے وہ بھی مدنظر ہونا چاہئے۔ اہم شہروں اور مقامات

کے علاوہ مدارس غریب و پسماندہ علاقوں میں واقع ہیں اوران میں پڑھنے والے طلبہ بھی نادار ہوتے ہیں۔ یہ کہنا آسان ہے کہ منجمینٹ اور انتظامیہ چوکس اور چاق وچوبند ہونی چاہیے اور یہ بات کہنے میں بڑی بھلی بھی لگتی ہے، مگر حقیقت کی دنیا میں آپ ذرا پسماندہ، کوردہ، پچھڑے اوران پڑھ علاقوں کو مدنظر رکھیں تو اس کی دشواری وناستواری کا حقیقی علم ہوجائے گا اوراس وقت کرسی صدارت، نظامت علیا و مالیہ اور ادنیٰ کلرک ومحاسب، چپراسی اور خادم و دربان تک کے سلسلہ میں نظم وضبط، ترتیب وتہذیب اور دستور وقانون تک کی باتیں خواہ وہ کتنی ہی اچھی ہوں مگر عملا ان کا نفاذ کتنا مشکل ومتعذر رہے اس کا اندازہ ایک تجربہ کار اوران حالات واوضاع سے دوچار ہونے والا ہی لگا سکتا ہے کہ یہ تمام امور واعمال کس قدر ضروری مگر مشکل ہیں۔

ادارہ کو صحیح ڈھنگ سے چلانے اور بہترین نظم وضبط کے لیے شفافیت اورٹرانسپیرنسی ضروری ہے۔ اس کا نہ کوئی منکر ہے نہ مکابر اور نہ ہی اس کے فوائد ومنافع سے کوئی نابلد ہے، بلکہ یہ مسلمات میں سے ہے۔ لیکن یہ بھی یاد ہونا چاہئے کہ سرکاری اداروں کی حالت زار اور ایک حد تک دور دراز کے دیہاتوں میں ان کے فقدان سے اہل قری اور دیہاتوں اور جنگلوں میں بسنے والے بے علم وبے شعور باشندوں کی نئی نسل کو مزید جاہل اور ناخواندہ بنانے کے علاوہ اور کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ اپنے نونہالوں کو کسی بھی طرح کی تعلیم دینے سے بھی عاجز ونابلد ہوتے ہیں۔ دین وایمان سے ان کو کیا لینا دینا، وہ مدارس میں مفت تعلیم کو بھی مہنگا تصور کرکے اس کے منکر ہوتے ہیں۔ کیوں کہ بچہ مزدوری اور بکری پروری ان کی معاشی وروایتی اور اخلاقی مجبوری ہوتی ہے۔ اس طرح بہت سے لوگ پسماندہ در پسماندہ رہ جاتے ہیں۔ مدارس نے ہر طرح کی پسماندگی کو دور کرنے کا جتن کیا ہے۔ خصوصا مسلمان جوانتہائی پچھڑی ذاتوں سے بھی نچلے حصے میں پہنچ گیا ہے اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو سرکاری اعداد وشمار واعلان کے بموجب وہ سب سے زیادہ ناخواندہ اور پسماندہ ہی نہیں، اورنہ جانے کیا کیا ہوتے اور کہاں ہوتے۔ بہار، بنگال، جھارکھنڈ، آسام خصوصا بہار میں بھاری تعداد والا مسلم علاقہ کشن گنج اس کا شاہد عدل ہے۔ آہ:

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

اور

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

لہٰذا ان باتوں کا مقصد یہ ہے کہ نزاکتیں اور حالات طرح طرح کے ہیں، ان کا قدرے لحاظ ضرور ہو مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مدارس دینیہ نظم وضبط سے عاری رہیں، حساب وکتاب سے خالی رہیں اور اصول وضابطے کو نہ برتیں۔ یہ تو بہر حال مطلوب ہے۔ اسے جیسے بھی ہو پورا کرنا چاہئے۔ خصوصا مالیہ میں شفافیت اور حساب وکتاب میں حساس اور تیز و چوکنا اور صاف وستھرا رہنا از حد ضروری ہے، ورنہ اگر یہ میزان مختل ہوا تو سارا نظام جسم وجان مدارس معرض خطر میں پڑنے سے نہیں بچ پائے گا۔

دیگر اور بھی تقاضائے مدارس اور مطلبات عصر حاضر ہیں جن سے مدارس کے اوضاع واحوال اور معنویت وافادیت میں اضافہ ہوسکتا ہے، اگر ان پر تبادلہ خیال اور غور وخوض ہوتا رہے تو یہ ایک فطری عمل اور ضروری قدم شمار ہوتا ہے، اس کے بغیر جمود وتعطل کا دور شروع ہوجاتا ہے۔ جیسے قرون وسطیٰ میں نصرانیت نے محض جمود ونری تقلید اور تصلب وتعصب کی وجہ سے اپنے دینی نصاب وعبادات کو ملک ومعاشرہ اور دنیا ومافیہا سے کاٹ کر رہبانیت کے غار عمیق وسحیق میں ڈال دیا تھا اوراس کی جو بھیانک تصویریں سامنے آئیں وہ انتہائی تباہ کن ثابت ہوئیں۔ اسی طرح تحسین وتجدید، ترقی خالص مادیت اور عصرانیت کے نام پر جو بے جا مداخلت کی جاتی ہے اس کے بھی بہت برے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں، اس کی معنویت ومقصدیت ختم ہوسکتی ہے اور اگر یہ روح وروحانیت مادیت کے تلوث اور ترجیح سے متاثر اور ختم ہوگئی تو دین واخلاق اور انسانیت کے حوالے سے دین پسندوں، ایمان داروں سے بڑھ کر دنیاداروں اور دنیا والوں کا خسارہ ہوگا۔ کیوں کہ دین واخلاق، رحم ومروت، جذبہ اخوت ومحبت اور انسانیت اور روحانیت ہی نہ رہی تو معاشرے سے امن وسکون، قلبی اطمینان، ذہنی سکون اور ہمدردی وغمخواری ختم ہوجائے گی اور انسان بے جان کی مشین بن کر رہ جائے گا۔ نہ اخلاق نہ مروت، بس ایک روٹین اور رموٹ والی زندگی کا آخر حاصل ہی کیا ہے۔؟

لہٰذا افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اپنے مدارس کے معاملات کو بھی لینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں حکومتوں کے بھاؤ سے بھی استفادہ کی گنجائش رکھنی چاہئے اور تازہ تازہ مدارس کے سروے کے لیے یوپی گورنمنٹ کے جواقدامات ہیں ان کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے ہر ممکنہ تعاون پیش کرنے کے ساتھ پورے وثوق واعتماد کے ساتھ ان کے سروے کا استقبال ہونا چاہئے اوراس کی تکریم وتقویت کے لیے مشترکہ کوشش کرنی چاہیے۔ بہت زیادہ خرخشوں اور خدشات واندیشہ ہائے دراز اور آرزوئے فراز کو خاطر میں لائے اور دل بہلائے بغیر اپنے حصے کی ذمہ داری نبھانی چاہئے اور بقیہ اپنے عزم وحوصلہ اور ہمت وحکمت کو مہمیز دیتے رہنے کے لیے ذہن ودماغ، فکر وعمل اور عقل وایمان کا استحضار ہونا چاہئے اور توفیق الٰہی کا خواستگار وطلبگار رہنا چاہئے۔ آگے مالک ومولیٰ اللہ جل جلالہ عز شانہ ہیں۔ **وهو نعم المولیٰ ونعم النصير**

☆☆☆

دعوت دین-ضرورت واہمیت

مولانا خورشید عالم مدنی، پٹنہ

آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ نوع بہ نوع فتنے اسلامی معاشرہ کو تباہ کررہے ہیں، بے حجابی، عریانیت، الحاد ودہریت کے جراثیم پھیلتے جارہے ہیں، نئی نسلوں کو بگاڑنے کی پیہم سازشیں کی جارہی ہیں۔ اسلامی اقدار کو پامال کرنے اور اسلامی تہذیب وثقافت کو مسخ کرنے پر یہود ونصاری متحد ہوچکے ہیں، مسلم نوجوان اغیار کے دام فریب کے شکار ہورہے ہیں، وہ مغربی تہذیب کے فدائی بنتے جارہے ہیں اور فلمی دنیا کے ستاروں کے پیچھے گردش کررہے ہیں۔

ایسے حالات میں امت مسلمہ کی اور بالخصوص علماء دعاۃ کی ائمہ وخطباء کی عظیم ذمہ داری ہے کہ وہ اٹھیں اصلاح امت کا بیڑہ اٹھائیں، دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیں، صحیح خطوط پر معاشرہ کی تشکیل اور تعمیر واستحکام کی راہ میں اپنی توانائیاں لگادیں۔ نیکیوں کو فروغ دیں اور برائیوں کے انسداد وخاتمہ کی ہرممکن کوشش کریں، یہی علماء کرام کا جنہیں دربار رسالت سے وارثین انبیاء ہونے کا شرف حاصل ہے طرۂ امتیاز، اور حسین کردار ہے اور یہی اس امت کی خیریت کا راز ہے، یہ امت اسی وقت تک خیرامت رہ سکتی ہے جب تک یہ ایمان کی ڈگر پر چلتی ہوئی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (آل عمران: ۱۱۰)

دعوت الی اللہ اس امت کی افضلیت کا راز اور عنوان ہے، اس امت کی شناخت وشعار ہے، اس کی زندگی کا عظیم مقصد اور عظیم مشن ہے، اس کے بغیر اس کے لئے کوئی فضل نہیں، کوئی جمال وکمال نہیں، کوئی ادائے دلربائی نہیں، بلکہ اگر یہ امت اپنے اس فریضہ سے غفلت اختیار کرلیتی ہے۔ افراد معاشرہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتی اوران کی تربیت واصلاح کی فکر سے چشم پوشی کرنے لگتی ہے تو اسے عذاب الٰہی کا سامنا کرنے اور انفرادی واجتماعی تباہی وبربادی کا خوفناک منظر دیکھنے کے لئے تیار رہنا چاہیے، معاشرہ کے تانے بانے بکھر جائیں گے، فتنہ وفساد کے نئے دور کا آغاز ہوگا، بدکاری وبے حیائی عام ہوجائے گی، خوبصورت وسندر سماج کی ساری خوبیاں ورعنائیاں مٹی میں مل جائیں گی اور جب اس پر اللہ کا عذاب آئے گا تو اس کے شکار اچھے، برے، نیک وبد، امام ومقتدی، حاجی ونمازی سب ہوں گے۔ امام حسن بصریؒ کا یہ قول پیش نظر رکھیں۔ مروا بالمعروف ونهوا عن المنكر والاكنتم الموعظات لغيركم ''نیکی (سب سے بڑی نیکی توحید ہے) کا حکم دو اور برائی (سب سے بڑی بڑائی شرک ہے) سے روکو، ورنہ تم دوسروں کے لئے داستان عبرت بن جاؤ گے۔''

دعوت کی اسی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام، سلف صالحین نے اس کا کوئی ادنی موقع فروگزاشت نہیں کیا، زمان ومکان کے فاصلے ان کی راہ میں حال نہیں ہوئے وہ اپنے گھروں سے نکلے، دیار مقدس کو چھوڑا، بلاد عرب وعجم کا رخ کیا اور وہاں تک پہنچے جہاں تک پہنچنا ان کے بس میں تھا۔ اور جہاں تک ان کو اپنے مقصد میں کامیابی مل سکتی تھی۔

یہ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں جو قائد فارس رستم کے دربار میں بڑی شان بے نیازی کے ساتھ داخل ہوئے اور پوری قدرت ایمانی کے ساتھ دعوت اسلامی کی ترجمانی فرمارہے ہیں۔ الله ابتعثنا لنخرج الناس من عبادة العباد الى عبادة رب العباد ہم آپ کے یہاں اللہ کے حکم سے آئے ہیں، اس نے ہمیں دعوت توحید دینے کے لئے بھیجا ہے، ہمارا مقصد اور ہماری دعوت یہ ہے کہ اللہ کے بندے انسانوں کی بندگی چھوڑ کر اللہ کے بندے بن جائیں، دنیا کی تنگی سے نکلیں اور اس دنیا کی وسعت وفراخی میں چلے آئیں، دیگر ادیان ومذاہب کے ظلم وجور سے نجات پالیں اور اسلام کے سایۂ عدل وانصاف میں سانس لیں۔

یہ حضرت طارق بن زیاد ہیں جو بحر اٹلانٹک کے ساحل پر پہنچے۔ سامنے سمندر موج زن دیکھا، والہانہ انداز میں زبان سے نکلا یہ جملہ تاریخی بن گیا، اللهم لولا هذا البحر لمضيت في البلاد مجاهدا في سبيلك اے اللہ! سامنے یہ سمندر حائل نہیں ہوتا تو تیری راہ میں جہاد کرتا ہوا پوری دنیا کو چھان مارتا۔

تاتاریوں کا سیلاب روکنے والے، اسلام کے سپاہی حافظ ابن تیمیہؒ ہیں جب جیل میں کاغذ اور قلم چھین لیا جاتا ہے تو کوئلے سے جیل کی دیواروں پر فتاوی تحریر فرماتے ہیں۔ یہ شیخ عبدالعزیز بن یحیی کنانیؒ ہیں جو مکہ سے سفر کرکے بغداد جاتے ہیں اور بشر مریسی معتزلی سے خلق قرآن کے موضوع پر مناظرہ کرکے قرآن کے غیر

مخلوق ہونے کا پرچم بلند کرتے ہیں۔

یادرکھیں ہم جس راہ کے راہی، جس تحریک سے وابستہ اور جس دعوت کے حامل ہیں۔ ہماری ایک ہی منزل، ایک ہی مقصد اور ایک ہی تمنا وآرزو ہے اور وہ ہے دعوت الی اللہ، وہ ہے اعلاء کلمۃ اللہ، وہ ہے اللہ کے دین کی سرفرازی، وہ ہے نور توحید کا اتمام، وہ ہے اسلام کی دعوت تمام نوع انسانی تک پہنچے اور اسی کا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

یہ عیسائی مبلغین کس طرح اپنے عیش وآرام کی زندگی چھوڑ کر عیسائیت کی تبلیغ کے لئے دور دراز ملکوں کا سفر کرتے ہیں اور ایسے مقامات کو اپنا نشیمن بناتے ہیں جہاں خطرات ہیں، آدم خور جنگل ہیں، کوئی رشتہ دار اور مونس وغم خوار نہیں، جہاں نہ معیاری غذا ہے، نہ فضا سازگار ہے لیکن عیسائیت کی تبلیغ کی فکر ہے اور دھن ہے جس کی خاطر وہ اپنے جذبات وخواہشات کو قربان کردیتے ہیں۔

ہمارے اس ملک میں دعوت کے زبردست امکانات موجود ہیں، اس ملک کا ایک بڑا حصہ مظلوموں، کمزوروں، دلتوں اور پسماندہ طبقات پر مشتمل ہے، اور اتنی بڑی تعداد ہماری دعوت سے محروم ہے، ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنا چاہیے اور ان کے سامنے اسلام کے محاسن کو اور اس کے دلنشیں پیغامات کو پیش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ انہیں یہ احساس ہو کہ اسلام ہی ہمارے حقوق کا محافظ ہے اور اسی کے ذریعے ہمیں عزت وسربلندی مل سکتی ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت سارے سادہ لوح مسلمان عیسائیوں اور قادیانیوں کے سوشل وفلاحی پروگراموں، سماجی ورفاہی کاموں سے متاثر ہوکر متاع دین وایمان کا سودا کررہے ہیں، آخر ہم کب بیدار ہوں گے؟ کب ہمارے اندر احساس زیاں پیدا ہوگا؟ اور اپنی دعوت وتبلیغ کے مشن میں سوشل سروس کو اور خدمت انسانیت کو شامل کریں گے؟

دعوت اسلامی کے بے شمار اسالیب ہیں، ان میں ایک اسلوب ایسا ہے جو شعور وجدان، جذبات واحساسات کی دنیا میں ہلچل پیدا کرسکتا ہے اور مدعو کو دعوت قبول کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے وہ ہے دعوت بالعمل۔ داعی کے بلیغ خطبے علمی لیاقتیں اور موثر ومستحکم دلائل وبراہین کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں اگر اس کا تعلق اس کے رب سے کمزور ہے اور اس کے قول وعمل میں تضاد ہے كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ''تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے''۔(الصّف:۳) اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ''کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو''۔ (بقرہ:۴۴)

اسی طرح ائمہ ودعاۃ کو چاہیے کہ وہ عصر حاضر کے تمام وسائل کی واقفیت رکھیں، اگر ایک طرف وہ اپنی دعوت کی ترویج کے لئے کتابوں کی تالیفات، محاضرات، ندوات، سمپوزیم، سیمینار، ریفریشر کورسیز کا اہتمام کریں تو دوسری طرف وہ الکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا جیسے جدید وسائل سے بھی منسلک رہیں، تاکہ وہ مختصر لمحات میں اپنی آواز دنیا کے گوگوشے گوشے میں پھیلا سکیں، اس لئے بھی کہ یہ وسائل اپنے اثرات ونتائج کے اعتبار سے سب سے طاقت ور اور دوررس ہیں اور یہ زمانہ انٹرنیٹ کا ہے۔ آن لائن کا ہے۔

مقام افسوس ہے کہ عالمی سطح پر دشمنان اسلام ان وسائل پر قابض ہیں اور وہ اپنے چینلوں/ ویب سائٹس کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کی خوفناک تصویریں پیش کررہے ہیں، اور اپنے مذاہب کی ترویج بڑے پیمانے پر کرنے میں مصروف عمل ہیں اور دنیا ان کے غلط پروپیگنڈوں سے متاثر ہوکر اسلام کو دہشت گرد مذہب کی حیثیت سے دیکھ رہی ہے اور مسلمانوں سے بدظن ہوتی جارہی ہے۔

ایسے حالات میں داعیان دین کو چاہیے کہ وہ دعوت دین کے فروغ میں جدید وسائل اعلام سے استفادہ کریں اور امکانی حد تک ان کا استعمال بھی، تاکہ دنیا کے سامنے ہم اسلام کی صحیح تصویر پیش کرسکیں، غیر مسلموں سے تعلقات پیدا کرکے ان کے شبہات کا ازالہ بھی۔ پھر قافلہ اسلام اپنی منزل کی طرف تیزی سے رواں دواں ہوگا۔ (باذن اللہ)

اس لئے دعوت کے اصول وآداب اور موثر ترین اسلوب کے ساتھ دعوت دین کو جاری رکھیں، افراد امت کی تربیت کریں، انفرادی واجتماعی سطح پر دعوت واصلاح کا فریضہ انجام دیں، اسی سے دین کی بقا ہے، اسی سے امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کا حصول ممکن ہے اور اس کی بدولت دنیا کو امن وسکون کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے، یہ تمام انبیاء ورسل کا منہج ومشن ہے، اہل ایمان کا وصف خاص ہے، دعاؤں کی قبولیت کا اہم سبب ہے اور یہی معاشرہ کے تحفظ کا راز وعنوان ہے اور اس سے غفلت ولاپرواہی، اغماض وچشم پوشی عذاب الٰہی کا باعث اور لعنت الٰہی کا سبب ہے، گردوپیش میں آباد غیر مسلمین کے سامنے حکمت کے ساتھ اسلام کے روشن اصولوں کو پیش کریں اور اپنے قول وعمل، کردار واخلاق سے اسلام کی ترجمانی کریں وہ گرویدۂ اسلام ہوجائیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ تاتاری ایک اجڈ، وحشی اور جاہل قوم تھی جس نے بغداد ودمشق کی اینٹ سے اینٹ بجادی، لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کردیا پھر جب ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جاتی ہے اور یہ دعوت ان عورتوں نے پیش کیا جنہیں وہ گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے گئے تھے تو وہ سب مسلمان ہوگئے بقول اقبال

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

محبت رسول ایمان کا لازمی حصہ ہے

مولانا ابوحمدان اشرف فیضی، رائیدرگ

ہر مسلمان پر نبی کریم ﷺ سے محبت کرنا ایمان کا لازمی جزء ہے، یہ ایمان کے اصولوں میں سے ایک اصل اور شرعی واجبات میں سے ایک واجب ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیه من والده وولده والناس أجمعین (صحیح البخاری: کتاب الایمان: باب: حب الرسول من الایمان: ۱۵) "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں" اور یہ محبت ہماری جان، مال، عزیز واقارب، تجارت اور دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر ہونی چاہیے، اگر ان سب کی محبت اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر غالب آجائے تو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وعید سنائی ہے، ارشاد ربانی ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:٦) "یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے۔" دوسری جگہ فرمایا: قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (التوبة: ٢٤) "آپ کہہ دیجئے! کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے، قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو، اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے، اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

حدیث میں ہے: عن عبدالله بن هشام قال کنا مع النبی صلی الله علیه وسلم وهو آخذ بید عمر بن الخطاب، فقال له عمر: یا رسول الله لأنت أحب الی من کل شئی الا من نفسی، فقال النبی ﷺ لا، والذی نفسی بیده، حتی أکون أحب الیک من نفسک، فقال له عمر: فانه الآن، والله لأنت أحب الی من نفسی، فقال النبی ﷺ الآن یا عمر (صحیح البخاری: کتاب الأیمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی صلی الله علیه وسلم: ٦٦٣٢) "عبداللہ بن ہشام نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں، سوائے میری اپنی جان کے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ (ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا) جب تک میں تمہیں تمہاری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہوجاؤں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: پھر واللہ! اب آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، عمر! اب تیرا ایمان پورا ہوا"۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول سے ہر چیز سے زیادہ محبت کرنے والا ایمان کی حلاوت پاتا ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے: ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان: أن یکون الله ورسوله أحب الیه مما سواهما، وأن یحب المرء لا یحبه الا لله، وأن یکره أن یعود فی الکفر کما یکره فأن یقذف فی النار (صحیح البخاری: کتاب الایمان باب حلاوة الایمان: ١٦) تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پیدا ہوجائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا: اول یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں، دوسرے یہ کہ وہ کسی انسان سے محض اللہ کی رضا کے لیے محبت رکھے۔ تیسرے یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت کرنے والا آخرت میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوگا، حدیث نبوی ﷺ ہے: عن أنس بن مالک رضی الله عنه أن رجلا سأل النبی ﷺ متی الساعة یا رسول الله؟ قال: ما أعددت لها قال: ما أعددت لها من کثیر صلاة ولاصوم ولا صدقة، ولکنی أحب الله ورسوله، قال: أنت مع من أحببت (صحیح البخاری: کتاب الأدب باب علامة حب الله عزوجل: ١٦٧١) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کے لیے بہت ساری نمازیں، روزے اور صدقے نہیں تیار کر رکھے ہیں، لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ تم اس کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ دوسری حدیث میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رجلا سأل النبي ﷺ عن الساعة فقال: متى الساعة؟ قال: وماذا أعددت لها قال: لا شئى ألا أني أحب الله ورسوله ﷺ فقال: أنت مع من أحببت قال أنس: فما فرحنا بشئى، فرحنا بقول النبي ﷺ أنت مع من أحببت قال أنس: فأنا أحب النبي ﷺ وأبا بكر، وعمر، وأرجو أن أكون معهم بحبي اياهم، وان لم أعمل بمثل أعمالهم (صحيح البخاري: كتاب فضائل الصحابة: باب مناقب عمر بن الخطاب أبي حفص القرشي العدوي رضي الله عنه :٣٦٨٨) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے قیامت کے لیے تیاری کیا کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کچھ بھی نہیں، سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہارا حشر بھی انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں کبھی اتنی خوشی کسی بات سے بھی نہیں ہوئی جتنی آپ کی یہ حدیث سن کر ہوئی کہ تمہارا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتا ہوں اور ان سے اپنی اس محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میرا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا، اگرچہ میں ان جیسے عمل نہ کرسکا۔

محبت رسول کا حقیقی معیار: محبت رسول کا حقیقی معیار آپ ﷺ کو اسوہ اور آئیڈیل ماننا ہے، اختلافی مسائل میں آپ کو فیصل تسلیم کرنا ہے، آپ کی سنتوں سے محبت کرنا ہے، کثرت سے آپ پر درود پڑھنا ہے کیونکہ ایک سچا محبّ اپنے محبوب کی باتوں پر عمل کرتا ہے اور اس کی پسند اور ناپسند کا خیال کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران:٣١) کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:٢١) یقیناً تمہارے لیے رسول ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ اور فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء:٦٥) سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں اور کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر:٧) اور تمہیں جو کچھ رسول دیں لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: كل أمتي يدخلون الجنة الا من أبى قالوا يا رسول الله ومن يابى؟ قال: من أطاعني دخل الجنة، ومن عصاني فقد أبى (صحيح البخاري كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم: ٧٢٨٠) ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جنہوں نے انکار کیا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انکار کون کرے گا؟ فرمایا: جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا اس نے انکار کیا۔ دوسری حدیث میں ہے: فمن رغب عن سنتي فليس مني (صحيح البخاري كتاب النكاح باب الترغيب في النكاح :٥٠٦٣) میرے طریقے سے جس نے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو نبی ﷺ سے دل وجان سے زیادہ محبت کرتے تھے وہ ہر معاملے میں آپ ﷺ کی اتباع کرتے تھے اور کسی بھی طرح کی نافرمانی سے بچتے تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے: عن أنس قال: لم يكن شخص أحب اليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: وكانوا اذا رأوه لم يقوموا، لما يعلمون من كراهيته لذلك (سنن الترمذي أبواب الأدب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل ٢٧٥٤) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص انہیں یعنی (صحابہ) کو رسول اللہ سے زیادہ محبوب نہ تھا کہتے ہیں: (لیکن) وہ لوگ آپ کو دیکھ کر (ادباً) کھڑے نہ ہوتے تھے۔ اس لیے کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ امام شافعی کے مشہور اشعار ہیں:

تعصي الاله وأنت تظهر حبه
هذا محال في القياس بديع
لو كان حبك صادقا لأطعته
ان المحب لمن يحب مطيع

محبت رسول میں غلو کی ممانعت

نبی کریم ﷺ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ آپ کے شایان شان آپ سے محبت کی

جائے، آپ کی شان وعظمت اور مقام ومرتبہ میں غلو ومبالغہ آرائی سے بچا جائے، بہت سارے لوگ نبی ﷺ سے عقیدت ومحبت کے نام پر غلو وافراط کے شکار ہیں، جب کہ شریعت میں مطلق طور پر غلو سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اسے سابقہ قوموں کی ہلاکت کا سبب بتایا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ (المائدہ:۷۷) آپ کہہ دیجئے! اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو۔ حدیث میں ہے: عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم غداة العقبة وهو على ناقته: القط لي حصى فلقطت له سبع حصيات هن حصى الخذف، فجعل ينفضهن في كفه ويقول: أمثال هؤلاء فارموا ثم قال: يا أيها الناس، اياكم والغلو في الدين، فانه أهلك من كان قبلكم الغلو في الدين (سنن ابن ماجه: كتاب المناسك، باب: قدر حصى الرمي: ۳۰۲۹، صحيح) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کہ رسول ﷺ نے جمرہ عقبہ کی صبح کو فرمایا، اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے: میرے لیے کنکریاں چن کر لاؤ، چنانچہ میں نے آپ کے لیے سات کنکریاں چنیں، وہ کنکریاں ایسی تھیں جو دونوں انگلیوں کے بیچ آجائیں، آپ انہیں اپنی ہتھیلی میں ہلاتے تھے اور فرماتے تھے انہیں جیسی کنکریاں مارو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! دین میں غلو سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں اسی غلو نے ہلاک کیا۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: لا تطروني كما أطرت النصارى ابن مريم، فانما أنا عبده، فقولوا: عبدالله ورسوله (صحيح البخاري كتاب: أحاديث الأنبياء صلوات الله عليهم باب قول الله: واذكر في الكتاب مريم ۳۴۴۵) "مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسے (عیسیٰ) ابن مریم علیہما السلام کو نصاریٰ نے ان کے رتبے سے زیادہ بڑھا دیا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے یہی کہا کرو (میرے متعلق) کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں"۔ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو سے کام لیا۔

نصاریٰ میں بعض نے عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا، بعض نے اللہ کا بیٹا کہا اور بعض تثلیث کے قائل تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلو اور فاسد عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (المائدہ:۷۲-۷۳) بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہیں حالاں کہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا، وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے، جنہوں نے کہا اللہ تین میں کا تیسرا ہے، دراصل سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے۔ انہیں المناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ دوسری جگہ فرمایا: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبہ:۳۰-۳۱)" یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں، ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالاں کہ انہیں صرف اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے"۔ اسی طرح مرض الموت میں نبی ﷺ نے اپنی امت کو قبر پرستی سے ڈرایا اور اللہ سے دعا مانگی کہ أللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد، اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد (أخرجه مالك في الموطأ: ۷۲۱، وابن سعد في الطبقات الكبرى، ۲۱۴۱، هداية الرواة للالباني: ۷۱۵، صحيح) "اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کی پوجا ہونے لگے۔ جن لوگوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ان پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب نازل ہوا"، نبی ﷺ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ان کی امت بھی ان کی قبر کے سلسلے میں وہی کچھ نہ کرنے لگے جس طرح یہود ونصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ کیا بایں طور کہ انہوں نے ان (کی تقدیس) میں غلو کیا اور وہ پوجا پاٹ کی جگہیں بن گئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے رب سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ آپ ﷺ کی قبر کو ایسا بننے سے محفوظ رکھے۔ پھر آپ ﷺ نے یہود ونصاریٰ پر سخت غضب اور لعنت ہونے کا سبب بیان کیا کہ ایسا اس وجہ سے ہوا تھا کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو بت بنالیا تھا جن کی وہ پوجا کرتے اور یوں وہ توحید کے بالکل برخلاف عظیم شرک میں مبتلا ہو گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: قال

النبی ﷺ فی مرضه الذی لم یقم منه: لعن الله الیهود اتخذوا قبور أنبیائهم مساجد، قالت عائشة: لولا ذلک لأبرز قبره خشی أن یتخذ مسجدا (صحیح البخاری: کتاب المغازی: باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم ووفاته :٤٤٤١) نبی کریم ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو اپنی رحمت سے دور کردیا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ ﷺ کی قبر بھی کھلی رکھی جاتی لیکن آپ کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں آپ ﷺ کی قبر کو بھی سجدہ نہ کیا جانے لگے دوسری حدیث میں ہے:ألا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور أنبیائهم وصالحیهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد، انی أنهاکم عن ذلک (صحیح مسلم: کتاب: المساجد ومواضع الصلاة، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور :٥٣٢) تم خبردار رہو تم سے پہلے لوگ اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بنالیتے تھے کہیں تم قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تم کو اس بات سے منع کرتا ہوں ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے اپنی شان میں غلو کرنے سے منع کیا ہے،فرمایا:عن أنس بن مالک، أن رجلا قال: یا محمد، یا سیدنا وابن سیدنا، وخیرنا وابن خیرنا فقال رسول الله ﷺ یا أیها الناس علیکم بتقواکم لا یستهوینکم الشیطان أنا محمد بن عبدالله ورسوله، والله ما أحب أن ترفعونی فوق منزلتی التی أنزلنی الله (مسند أحمد أنس بن مالک رضی الله عنه: ١٢٥٥١، حسن) انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے محمد ﷺ اے ہمارے سردار! اور ہمارے سردار کے بیٹے، اے ہمارے بہتر اور افضل اور بہتر کے بیٹے! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تقوی کو لازم پکڑو، کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اللہ کی قسم! میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے میرے اس مقام ومرتبے سے بڑھاؤ جس پر اللہ نے مجھے فائز کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کے عظیم ترین مقامات کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کو عبد کے لقب سے ملقب کیا ہے، اس میں لوگوں کے لیے تنبیہ ہے کہ آپ ﷺ کے خصائص وفضائل کو دیکھ کر آپ کی شان میں غلو سے بچیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (البقرہ:۲۳) ’’ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنالاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو‘‘ دوسرے مقام پر فرمایا:تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا (الفرقان:۱) بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی زندگی کا حیرت انگیز واقعہ اسراء اور معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (الاسراء:۱) ’’پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے۔ آپ پر نزول وحی کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی (النجم:۱۰) پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی۔ آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا (الجن:۱۹) ’’اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں‘‘۔ معلوم ہوا کہ وہ نبی جو ان تمام اوصاف کمال سے متصف ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول مانو اور آپ کی شان میں غلو ومبالغہ سے بچو۔

☆☆☆

مکتبہ ترجمان کی

نصابی کتابیں

چمن اسلام قاعدہ	30/-
چمن اسلام اول	30/-
چمن اسلام دوم	30/-
چمن اسلام سوم	30/-
چمن اسلام چہارم	34/-
چمن اسلام پنجم	50/-
چمن اسلام مکمل سیٹ	**188/-**

رحمۃ للعالمین اور کثرت ازدواج

از قلم: محمد محب اللہ المحمدی

دشمنان اسلام نے ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر گھناؤنے الزامات اور اتہامات لگائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر اس طرح کے الزامات ہمیشہ سے اعداء دین کا وطیرہ رہا ہے، مغرب کا طوفان بدتمیزی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء مذاق اور ٹھٹا اڑانا یہ تو ان بد باطنوں کی انتہائی قبیح وشنیع عادت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استہزاء کے چند مظاہر یہ ہیں۔ استہزائی کارٹون بنانا، فلم بنانا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط انداز میں پیش کرنا، ناقابل برداشت الفاظ کا استعمال کرنا، مضامین ومقالات لکھنا، وغیرہ، الغرض یہ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی اور اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا جذبہ آج بھی مخالفین اسلام میں اسی طرح من وعن موجود ہے جس طرح عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھا۔

محترم قارئین: غیر مسلمین اور مستشرقین سے لیکر آج تک کے دشمن دین اسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعدد ازدواج کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑے رکیک اور دل آزار حملے کئے اور کرتے آرہے ہیں۔

ان کا اعتراض یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 50 سال تھی، 50 سال سے لے کر 63 سال کی عمر مبارک تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 11 نکاح کئے۔

آیئے ذیل کے سطور میں تعدد ازدواج کی حکمتوں و مصلحتوں کو سمجھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے اسماء یہ ہیں،

حضرت خدیجہ، سودہ بنت زمعہ، عائشہ، حفصہ، زینب بنت خزیمہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، جویریہ بنت حارث، ام حبیبہ، صفیہ بنت حی بن اخطب، میمونہ بنت حارث، رضی اللہ عنہن جمیعا

تعدد ازدواج کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنے اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اندھی عداوت، تعصب اور عناد پر مبنی ہے، غور فرمائیں۔

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر عزیز کے ابتدائی 25 سال یعنی عنفوان شباب کا زمانہ انتہائی پاکیزہ اور بیداغ گزارا، عمر کے اس مرحلہ میں انسان کے قدم کسی نہ کسی لغزش سے آلودہ ہو جاتے ہیں، اس عمر میں آپ کا دامن ہر طرح کی چھوٹی بڑی لغزش سے قطعی پاک اور صاف ستھرا تھا۔

2۔ 25 سال کی عمر میں آپ نے پہلا نکاح چالیس سالہ بیوہ خاتون (خدیجہؓ) سے کیا اور مزید 25 سال انتہائی پرسکون، خوشگوار، پرمسرت اور مثالی ازدواجی زندگی میں گزار دیئے۔

3۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 50 سال کی عمر میں پچاس سالہ بیوہ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا) کا انتخاب فرمایا، حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب قریش مکہ یہ پیش کش کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی حسین وجمیل عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ہم مکہ کی سب سے حسین وجمیل عورت سے آپ کی شادی کرا دیتے ہیں، بشرطیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نئے دین کی دعوت ترک کر دیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کی پیشکش کو بلا تامل ٹھکرا دیا، جس شخص نے اپنی زندگی کے 50 سال اس حیاداری اور عفت مآبی کے ساتھ گزارے ہوں کہ دوست، دشمن میں سے کوئی بھی انگشت نمائی نہ کر سکے، اس شخص کے بارے میں کوئی ہوشمند آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچنے کے بعد اچانک اس کے اندر شہوت پرستی کی ایسی قوت عود کر آئی تھی کہ اس سے مغلوب ہو کر اس نے یکے بعد دیگرے نکاح کرنے شروع کر دیئے؟

پروفیسر مہدی رزق اللہ لکھتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہؓ جیسی عمر دراز عورت سے ایسی عمر میں ہوئی جس عمر میں انسان زیادہ عورتوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور تعدد کا رغبت رکھتا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمانی خواہش اور حسن وجمال کا کوئی اہتمام نہیں کیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دیگر ساتھی واقران کی طرح ہوتی تو آپ اتنی عمر کے، وہ بھی ثیبہ سے شادی نہیں کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نکاح کے مقاصد ومصالح دینی تھے، لہٰذا آپ کی ذات پر طرح طرح کے حملے غیر مناسب ہے، اور فالتو کا اعتراض ہے۔

4۔ مکی اور مدنی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی نکاح کئے وہ سب کے سب (سوائے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے) بیوہ یا مطلقہ خواتین سے کئے، اگر چہ مکی دور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کنواری اور حسین وجمیل عورتوں سے شادی کی پیشکش کی گئی، لیکن اپنے مشن اور مقصد کے خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹھکرا دیا، لیکن مدنی زندگی میں بقول عروہ بن مسعود ثقفیؓ، صورت حال یہ تھی کہ محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے ساتھی آپ کی اتنی تعظیم کرتے تھے کہ قیصر وکسریٰ کی بھی ایسی تعظیم دیکھنے میں نہیں آئی، جب وہ کوئی حکم دیتے تو سب اس کی بجا آوری کیلئے دوڑ پڑتے، جب وضوء کرتے تو وضوء کا بچا ہوا پانی لینے کے لئے جھپٹ پڑتے، جب بولتے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے۔غور طلب بات یہ ہے کہ جس قائد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اپنی جان ومال اور گھر بار سب کچھ اپنے قائد پر لٹا دینا سعادت دارین سمجھتے ہوں، کیا اس کے لئے مدنی دور میں کنواری اور حسین وجمیل دوشیزاؤں کا حصول کوئی مشکل کام تھا؟ بالکل نہیں، پھر سوال یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبہ شہوت سے مغلوب ہو کر یہ شادیاں کیں تو بیوہ اور مطلقہ خواتین سے کیوں کیں؟

5۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو روکنے اور ختم کرنے کے لئے مکی اور مدنی دور، دونوں جگہ مشرکین اور منافقین نے ہر طرح کا پروپیگنڈہ کیا حتی کہ مدنی دور میں منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کا الزام تک لگانے سے دریغ نہیں کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کاہن، مجنون، ساحر اور شاعر ہونے کا الزام لگایا گیا، لیکن کیا وجہ ہے کہ نہ تو مکی دور میں کسی دشمن کو آپ پر شہوت پرستی کا الزام لگانے کی جراءت ہوئی، نہ مدنی دور میں، حقائق وواقعات خود یہ ثابت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی 63 سالہ زندگی اسقدر پاکیزہ، بے داغ، اور باحیاء تھی کہ بقول صحابہ کرام آپ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ باحیاء تھے، لیکن المیہ ہے کہ اس ترقی یافتہ اور مہذب دور کے مخالفین اسلام اور پیغمبر اسلام کی دشمنی میں اسقدر اندھے ہو چکے ہیں کہ کسی بات پر سنجیدہ غور وفکر کیلئے تیار ہی نہیں۔

اب آیئے ایک اچٹتی سی نگاہ ان مصالح پر ڈالیں جنکے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھاپے کی عمر میں پہنچنے کے بعد اپنی درویشانہ معیشت کا بوجھ اٹھانا گوارا فرمایا۔

1۔حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے نکاح کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی قریبی باوفا اور باعتبار ساتھیوں (ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ) کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کیا، اور دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں۔حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو نکاح میں دیں، اور حضرت علی سے فاطمہ کا نکاح کر کے ان چاروں سابقون الاولون جاں نثار اور مخلص ساتھیوں کے ساتھ اپنے تعلقات اسقدر پختہ بنائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارک کے بعد ان چاروں حضرات نے باری باری جس جراءت اور عزیمت سے شجر اسلام کی آبیاری فرمائی وہ محتاج بیان نہیں، وقت نے ثابت کر دیا کہ ان چاروں بزرگوں سے تعلقات کو مضبوط اور مستحکم بنانا ملت اسلامیہ کی بقاء کے لئے بہت ضروری اور اہم تھا۔

2۔مصاہرت کا تعلق ہر زمانے میں بڑا قابل احترام سمجھا جاتا رہا ہے، داماد سے دشمنی رکھنا ہمیشہ قابل عار اور قابل مذمت سمجھا گیا ہے، چنانچہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان سے نکاح کے بعد قریش کے سپہ سالار ابوسفیان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل آنے کی ہمت نہ کر سکے، تا آنکہ مکہ فتح ہو گیا اور وہ خود بھی مسلمان ہو گئے، حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ رضی اللہ عنہا بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں جو ابوجہل اور خالد بن ولید کا قبیلہ تھا، ابوجہل تو مرتے دم تک کفر پر قائم رہا، لیکن اس نکاح کے بعد خالد بن ولید میں مخالفت کا وہ دم خم نہ رہا جو نکاح سے پہلے تھا، بالآخر وہ بھی مسلمان ہو گئے، حضرت صفیہ بنت حییٔ بن اخطب یہودی قبیلہ بنونضیر کے سردار کی صاحبزادی تھیں، اس نکاح کے بعد بنونضیر پہلی سی محاذ آرائی نہ کر سکے، اسطرح حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بھی یہودی قبیلہ بنومصطلق کے سردار حارث کی صاحبزادی تھیں، یہ قبیلہ بہت سرکش اور باغی تھا، لیکن حضرت جویریہؓ سے نکاح کے بعد یہ قبیلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل نہیں آیا۔

3۔حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح بعض جاہلانہ رسوم کو ختم کرنے کے لئے عمل میں آیا، حضرت زینب کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے، عرب میں منہ بولے بیٹے کو وہی قانونی حقوق حاصل تھے، جو حقیقی بیٹے کو حاصل ہوتے ہیں حضرت زینب اور حضرت زید کا آپس میں نباہ نہ ہو سکا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نا چاہتے ہوئے طلاق ہو گئی، چنانچہ جاہلی رسم کو مٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب سے نکاح کرنے کا حکم دیا، جسمیں آپ کی پسند یا ناپسند کو قطعاً کوئی دخل نہ تھا۔

4۔ابتدائے اسلام میں، اسلام قبول کرنے والے مرد وخواتین کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ بہت اہم تھا، مردوں کی تعلیم وتربیت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات ہی کافی تھی، لیکن خواتین کے لئے خواتین معلمات کا ہونا ضروری تھا، خواتین بھی ایسی جنکا آپ کے ساتھ ازدواجی تعلق ہوتا کہ وہ خواتین کے مخصوص مسائل آپ سے پوچھ کر عورتوں کو بتا سکیں، یہ خدمت حضرت عائشہ کے علاوہ حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن جمیعا نے بہترین انداز میں سرانجام دی۔

علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں کہ "ان سب سے بڑی اور عظیم بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غیر مہذب قوم کو تربیت دینے، اسکا تزکیہ نفس کرنے اور تہذیب وتمدن سکھانے پر مامور تھے، جو تہذیب وثقافت سے، تمدن کے لوازمات کی پابندی سے اور معاشرے کی تشکیل وتعمیر میں حصہ لینے کی ذمہ داریوں سے بالکل ناآشنا تھی، اور اسلامی معاشرے کی تشکیل جن اصولوں کی بنیاد پر کرنی تھی ان میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی گنجائش نہ تھی لہٰذا عدم اختلاط کے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کی براہِ راست تربیت نہیں کی جا سکتی حالانکہ ان کی تعلیم وتربیت کی ضرورت مردوں سے کچھ کم اہم نہ تھی، بلکہ کچھ زیادہ ہی ضروری تھی، اس

لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف یہی ایک سبیل رہ گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف عمر اور لیاقت کی اتنی عورتوں کو منتخب فرمالیں جو اس مقصد کے لیے کافی ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں تعلیم وتربیت دیدیں، ان کا تزکیہ نفس فرمادیں، انہیں احکام شریعت سکھلادیں اور اسلامی تہذیب وثقافت سے اس طرح آراستہ کردیں کہ وہ دیہاتی اور شہری، بوڑھی اور جوان ہر طرح کی عورتوں کی تربیت کرسکیں اور انہیں مسائل شریعت سکھاسکیں اور اس طرح عورتوں میں تبلیغ کی مہم کے لئے کافی ہوسکیں" (بحوالہ الرحیق المختوم صفحہ نمبر 683، و، فضائل رحمۃ للعالمین صفحہ نمبر 48 تا 50)

علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ رحمۃ للعالمین میں لکھتے ہیں" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی پر نظر ڈالو کہ 63 سال میں سے ابتدائی 25 سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال تجرد سے گزرتے ہیں، جس بزرگ نے 25 سال تک عنفوان شباب اور جوش جوانی کا زمانہ کمال تقوی اور نہایت ورع کے ساتھ پورا کیا ہو اور جس کے حسن مردانہ کے کمال نے اعلیٰ سے اعلیٰ خواتین کو اس سے تزویج کا آرزو مند کردیا ہو، پھر بھی ربع صدی تک اس کے تجرد وتفرد پر کوئی شئے غالب نہ آئی ہو، کیا ایسے شخص کی نسبت اعلی رائے قائم نہیں ہوتی ؟؟؟؟؟۔ جس مقدس ہستی نے 25 سے 50 تک کی عمر کا زمانہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو، جو عمر میں ان سے 15 سال بڑی اور ان سے پیشتر دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بنکر معمر ہوچکی ہو اور پھر اس ربع صدی کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل بستگی ومحبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو، بلکہ اسکے مرجانے کے بعد بھی ہمیشہ اس کی یاد تازہ رکھا ہو، کیا اُن کی نسبت کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس تزویج کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر پرستاران حسن کی شادیوں میں پائی جایا کرتی ہے؟؟؟؟؟۔۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی (55 سے لیکر 59 تک کی درمیانی مدت) کا پنجسالہ زمانہ ایسا ہے، جب ازواجِ مطہرات سے حجرات آباد ہوئے تھے اسلئے ہر ایک شخص کو غور کرنا چاہیے کہ زندگی مبارک کے 55 سالہ رویہ سے بڑھکر جو عمل ہوا اس کے خاص خاص اسباب کیا تھے۔ خصوصاً جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی موجود ہے، مالی فی النساء من حاج ,غور کرنے سے معلوم ہوجائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جسقدر نکاح کئے ان کی بنیاد فوائدِ کثیرہ دین ومصالح جمیل، ملک اور مقاصد حسنہ قوم پر مبنی تھے، اور ان فوائد ومصالح ومقاصد کا اس قدیم ترین زمانہ اور عرب جیسے ملک میں حاصل ہونا تزویج کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔

مثلاً ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر غور کیجئے کہ اس سے پیشتر جسقدر لڑائیاں مسلمانوں کے ساتھ کفار نے کیں، ان میں سے ہر ایک میں یہود کا تعلق سرًا یا علانیاً ضرور ہوتا تھا، مگر تزویج صفیہ رضی اللہ عنہا کے بعد یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہ ہوئے، دیکھو یہ نکاح کسقدر ضروری تھا۔

مثلاً ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر غور کیجئے، ان کے باپ ابوسفیان عمائد قریش میں سے تھے، اور قوم کا نشان جنگ ان کے گھر میں رکھا رہتا تھا، جب یہ نشان باہر کھڑا کیا جاتا تو تمام قوم پر آبائی ہدایات اور قومی روایات کی اتباع میں لا ہوجاتا تھا کہ سب کے سب اس جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہوجائیں، احد اور حمراء الاسد، بدرالاخری، احزاب وغیرہ لڑائیوں میں ابوسفیان ہی اس نشان کو لئے ہوئے قائد قریش نظر آئے تھے، اس تزویج مبارکہ کے بعد دیکھو کہ وہ کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتے نظر نہیں آئے، بلکہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خود بھی اسلام کے جھنڈے کے نیچے آکر پناہ لے لیا، کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ نکاح نہایت ضروری نہ تھا۔

اسی طرح ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر غور کیجئے، ان کی ایک بہن سردار نجد کے گھر میں تھی، اس نکاح نے ملک نجد میں صلح اور امن اور اسلام کے پھیلانے میں بہترین نتائج پیدا کئے، حالانکہ قبل ازیں اہل نجد وہ تھے، جنھوں نے ستر واعظان دین کو اپنے ملک میں لے جاکر غدر سے قتل کیا تھا، اہل نجد ہی وہ تھے جن سے چند بار نقص امن اور فسادانگیزی کے واقعات ظہور میں آچکے تھے، ہر ایک شخص کو جو امن عامہ اور اصلاح ملک کے فوائد کا منکر نہیں، تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نکاح کسقدر بابرکت تھا۔

ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح خالص اسلامی اغراض ومصالح دینی پر مبنی تھے، بنت جحش کے نکاح نے تبنیت کے رواج کو توڑا اور تثلیث کے درخت کو کھوکھلا کردیا اور یہ اتنی بڑی اصلاح ہے کہ مشرکین واہل کتاب کی درستی اس کے بغیر ممکن ہی نہ تھی، عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کے نکاح نے حفاظت کتاب اللہ ونشر احادیث وتعلیم نساء کے بارہ میں فوق العادات کام کئے۔ اور پھر صدیق وفاروق کی خلافتوں کو زیادہ بابرکت اور زیادہ پرمنفعت بنانے میں بہت بڑا کام کیا، اور یہ ایسے فوائد ہیں جن کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمدہ تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، ہم نے جن فوائد کا ذکر کیا ہے، یہ نمونے ہیں، ان اغراض ومقاصد دینیہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک نکاح سے مدنظر ہوتے تھے، اور جنکا احصاء کرنا ہمارے لیے قریباً ناممکن ہے، لیکن جب اس مختصر بحث سے یہ واضح ہوگیا کہ تعدد زوجات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعائے اعلیٰ انبیاء سابقین کی سنت پر عمل کرنے کے علاوہ اور ضروریات ملکی اور مصالح دینی پر بھی مشتمل تھا، تو ہر ایک شخص کو جو سر میں دماغ اور دماغ میں فہم صحیح کا مادہ رکھتا ہے اقرار کرنا پڑے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا ہی کرنا شایاں وضروری تھا اور اگر ایسا نہ کرتے تو بہت سی مصلحتوں سے ملک اور قوم اور اسلام کو محروم ہونا پڑتا اور ایسا

کرنا اس مصلح اعظم کی شان کے منافی تھا جسے خدا نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے: (بحوالہ رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ نمبر 133)

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اصل یہ کہ عرب میں نکاح کی تعداد متعین نہ تھی، بلکہ بنی اسرائیل میں بھی اس کی تحدید نہ تھی، تورات میں ایسے انبیاء اور بزرگوں کے نام بھی ہیں جنکی متعدد بلکہ سینکڑوں بیویاں تھیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے عہد شباب میں یعنی 25 سال سے 50 برس کی عمر تک صرف ایک بیوی (حضرت خدیجہؓ) پر کفایت کی، حضرت خدیجہؓ کے بعد ایک ساتھ دو نکاح کئے، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا آپ سے کبیر السن تھیں، اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو صرف 6 برس کی تھی، اتنی چھوٹی لڑکی سے نکاح ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف دو خاندانوں میں محبت اور یک جہتی کی ترقی ہی کیلئے ہوسکتا تھا، مدینہ آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نکاح کئے، ان نکاحوں پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے خود بہ خود ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان میں دو قسم کی عورتیں تھیں، ایک وہ جو رؤوسائے قبائل کی لڑکیاں تھیں اور جن سے نکاح کا مقصد اسلام کی بہتری کے لیے تعلقات کی توسیع اور اضافہ تھا، حضرت عائشہؓ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اور حضرت حفصہ فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان رئیس بنی امیہ کی بیٹی تھیں، حضرت جویریہ قبیلہ بنی مصطلق کی رئیسہ تھیں، حضرت صفیہؓ رئیس خیبر کی دختر تھیں۔

ازواج مطہرات میں دوسری وہ بیوہ عورتیں تھیں، جنکا سن زیادہ تھا، اور گویا اسطرح ان کی کفالت کا بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا تھا، چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ ام المساکین یہ سب بیوائیں تھیں، ایک اور بیوی حضرت زینب بنت جحش تھیں جو بیوہ نہ تھیں لیکن مطلقہ تھیں، ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تھی، اس تفصیل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج کے اسباب منکشف ہوئے ہوں گے۔ (بحوالہ سیرۃ النبی جلد سوم صفحہ نمبر 578 تا579)

محترم قارئین:

اعداء اسلام خصوصا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت عائشہ صدیقہؓ اور آپ کی ذات گرامی پر انتہائی رکیک اور افسوس الزامات حملے کرتے ہیں۔

دراصل حضرت عائشہؓ کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے 11 نبوت میں ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 51 سال اور عایشہ 6 برس کی تھی، اور جب 9 سال کی ہوئیں، تب رخصتی ہوئی۔

اعتراض یہ کہ اتنی کم عمر کی لڑکی سے شادی؟

تو اب ہمارا سوال یہ ہے کہ صغرالسن سے کیا مراد لیتے ہیں؟ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کمال الانوثہ کو نہیں پہنچی یعنی غیر بالغ تھیں؟ کیا عقل وفہم وادراک میں ناقص اور ناپختہ تھیں؟

اگر آپ سوال کا پہلا شق مراد لیتے ہیں کہ وہ غیر بالغہ تھیں تو یہ بات بالکل ہی غلط ہے، بلکہ وہ کمال نسوانیت وانوثیت کو پہنچ چکی تھیں اس لئے کہ گرم علاقے ومناطق حارہ میں بچے بچیاں بہت جلد بالغ ہو جاتے ہیں بمقابل ٹھنڈ علاقے یا ملک کے، یہ بات سب کو معلوم ہے۔

اور اگر سوال کا دوسرا حصہ مراد لیتے ہیں تو تب بھی مخالفین کا دعوی صحیح نہیں ہے اسلئے کہ حضرت عائشہؓ دوسری عورتوں کی طرح نہیں بلکہ وہ تو عقل وفہم وادراک کی پختگی کو پار کر چکی تھیں، حقیقت یہ ہے کہ مشککین ومعترضین عائشہؓ سے شادی کو شہوت پرستی کا گھناؤنا الزام لگاتے ہیں، مسلمان جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شادی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی تھی، اور اس کے بہت سے معاشرتی تشریعی وسماجی دواعی واسباب تھے۔

میرے بھائیو! واقع سے بڑا کوئی دلیل نہیں:

مئی 1939ء میں امریکہ کے مختلف جرائد نے پوری تحقیق کے بعد یہ خبر شائع کی کہ 14 مئی 1939ء کو ایک 6 سالہ (5 سال 7 ماہ 21 دن) لڑکی نے بچے کو جنم دیا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

medinapragnent/ ,comwww,snopes// Http. .asp

سوال یہ ہے کہ دنیا کے سرد ترین ملک میں اگر لڑکی 6 سال کی عمر میں بالغ ہو کر بچے کو جنم دے سکتی ہے تو پھر دنیا کے انتہائی گرم ملک (حجاز) میں 9 سال کی عمر میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی شادی پر اعتراض کا کیا جواز ہے۔

ان تمام تصریحات توضیحات سے یہ بات مترشح ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت ازدواج انتہائی اہم مصلحتوں، دینی وتشریعی، سماجی، ملی حکمتوں پر مبنی تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جو بھی اعتراض کیا جائے سراسر باطل ہے، الحمدللہ، اللہ کا شکر ہے کہ اس طرح کے اعتراض ونقد کا ایجابی ومثبت پہلو یہ سامنے آیا کہ بہت سارے لوگ اسلام کا مطالعہ کر رہے ہیں اسلام کی حقانیت اور اعلی تعلیم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم نمونہ والی زندگی کے اہم گوشے کھل رہے ہیں، اور وہ دامن اسلام میں پناہ لے رہے ہیں۔

☆☆☆

گاؤں محلّہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجیے

اورمکاتب میں تجوید وتعلیم قرآن کریم کا اہتمام کیجئے!

حضرات! قرآن کریم بنونوع انسان وجنان کے نام اللہ رب العالمین کا آخری پیغام ہے۔ جو نبی آخرالزماں حضرت محمدﷺ پر نازل ہوا، جو ہدایت کا سرچشمہ، عبرت وموعظت کا ذریعہ اوردین وشریعت اور توحید ورسالت کا اولین مرجع ومصدر ہے، جس کا حرف حرف علم وعرفان اورحکمت وموعظمت کے موتیوں سے لبریز ہے، جس کی تعلیم وتعلم اورتلاوت باعث ثواب اور جس پرعمل فوز وفلاح اورسعادت دارین کا سبب اور ضمانت ہے اورقوموں کی عزت وذلت اورعروج وزوال اسی سے مربوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اول یوم سے اس کی تلاوت وقرأت اور اس پرعمل کا خصوصی اہتمام کیا، حفظ وتجوید وتفسیر قرآن کے مکاتب ومدارس قائم کئے اورسوسائٹی میں اس کی تعلیم واتباع کوخصوصیت کے ساتھ رواج دیا۔ نتیجتاً وہ اس اہتمام بالقرآن کی برکت سے ہرمیدان میں اوج کمال تک پہنچے۔ لیکن بعد کے ادوار میں یہ روشن روایت دن بدن کمزور پڑتی گئی۔ خود برصغیر میں تعلیم وتفسیر قرآن کریم تو کجا تجوید وقرأت کا عرصہ تک کما حقہ اورمضبوط انتظام نہ ہوسکا اور نہ اس پرخصوصی توجہ مبذول کی گئی۔ حالانکہ تعلیم وتعلم قرآن میں علم تاویل وتفسیر اورغوروفکر کے ساتھ ساتھ تجوید بھی مقصود تھا اور ہمارے نبی کریم محمدﷺ نے اس کی بڑی تاکید بھی فرمائی تھی۔

مقام شکر ہے کہ چند دہائی قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سمیت مختلف جہات سے تعلیمی بیداری مہم کے نتیجے میں مدارس وجامعات اورمکاتب ومساجد میں تجوید قرآن کریم کا مبارک سلسلہ شروع ہوا تھا جس کے ملکی سطح پر بہترین ثمرات سامنے آئے۔ پورے ملک میں مکاتب بڑے پیانے پر قائم ہوئے اور بہت سی بستیوں میں مکتب کی تعلیم کے زیراثر بچوں کی ذہنی طور پرنشو ونما ہونے لگی۔ لیکن روز بروز بدلتے حالات کے پیش نظرعصری تعلیم گاہوں اور کنونٹس اورگاؤں میں مدارس کی وجہ سے مکاتب بہت متاثر ہوئے۔ لہٰذا مکاتب کو بڑے اورعمدہ پیانے پر پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل کو دین کی بنیادی باتوں اورقرآن کریم سے روشناس کرایا جاسکے۔

لہٰذا آپ حضرات سے دردمندانہ گزارش ہے کہ اس حوالے سے خصوصی توجہ مبذول کریں اوراپنے گاؤں اورمحلوں میں صباحی ومسائی مکاتب کے قیام کو یقینی بنائیں، اگرقائم ہیں توان کی سرگرمی وفعالیت میں بہتری لائیں، قدیم نظام کا احیاء کریں، ان میں تجوید وتعلیم قرآن کا خصوصی اہتمام کریں تاکہ جماعت وملت کے نونہالوں کو دین واخلاق سے آراستہ کرسکیں اورانھیں دین وعقیدہ پرقائم رکھ سکیں۔

اللہ تعالی ہم سب کوایک ہوکر دین حنیف، جماعت وجمعیت اورملک وملت کی مخلصانہ خدمت انجام دینے کی توفیق بخشے، ہرطرح کے فتنے اورآزمائش سے محفوظ رکھے اورعالمی مہلک وبا کورونا وغیرہ سے سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اپیل کنندگان

اصغرعلی امام مہدی سلفی

امیرمرکزی جمعیت اہل حدیث ہندودیگرذمہ داران

مولانا ساجد ولی

ائمہ اربعہ اور سلفیت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں رونما ہونے والے اختلاف امت کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے اس کے مختلف گروہوں میں بٹ جانے سے آگاہ کیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلایا ہے کہ ایسے اوقات میں رفع اختلاف کا پیمانہ سلف صالحین کا طریقہ کار وطریقہ فہم بنصوص واستدلال ہے چونکہ اہل سنت کے ائمہ اربعہ کو معیار حق وباطل بنا کر ان کی اندھی تقلید کرنے کی بنا پر امت بنیادی طور پر چار بڑے فرقوں میں تقسیم ہوگئی اور پھر عقدی بنیادوں پر تقسیم در تقسیم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ یہود ونصاری سے بھی یہ امت دو قدم آگے چلی گئی۔ علامہ شہرستانی نے الملل والنحل میں ان فرقوں کی تعداد کو تہتر میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے گرچہ وہ اجتہادی نوعیت کی کوشش ہے جسے متفق علیہ اور ناقابل بحث نہیں مانا جاسکتا، البتہ اس حصر کی ایک دلالت تو متفق علیہ ہے، وہ یہ کہ امت میں فرقہ واریت کی کثرت موجود ہے جو ایسے جوہری اختلافات رکھتی ہے جس میں تطبیق کی کوششیں لایعنی ہیں۔ یہاں پر گرچہ میری مراد یہ بیان کرنا نہیں ہے کہ امت کے اختلافات کے ساتھ مجاملت کا رویہ اپنا کر مسلم امہ کی بھیڑ کو ریوڑ کی طرح ہانک کر ایک چھت تلے بند کرنے کی کوشش کی جائے، اور پھر رجوع الی الکتاب والسنۃ کی دعوت کو رافع اختلاف سمجھنے کے بجائے عین دعوت اختلاف سمجھا جائے۔ اگر کوئی اس مرض فکری کا شکار ہے تو واقعی یہ بڑی افسوس ناک بات ہے، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ مختلف قسم کے مریضوں کا ایک ہی دوا سے علاج کرنے کی کوشش کی جائے یا پھر مریض کے متعلق پہلے ہی یہ تصور قائم کرلیا جائے کہ یہ مریض ہی نہیں۔

عصر حاضر میں کوئی تاریخ اختلافات کا ابتدائی مرحلہ نہیں کہ اہل علم کو رفع اختلاف کا نسخہ تلاشنے کے لئے فقہ النوازل یا جدید فقہی فراست درکار ہوگی۔ بلکہ ان اختلافات کا سلسلہ تو اسلامی تاریخ میں قرن اول ہی سے شروع ہوگیا تھا اور ظاہر سی بات ہے کہ امت کے سرخیلوں نے اس وقت یا بعد کے ادوار میں اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے کوئی نہ کوئی سنت کا اجرا کیا ہوگا, بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ہدایات نبویہ پر اگر غور کیا جائے تو یہ سوال ابھر کر سامنے آئے گا کہ وہ نبی جس نے بیت الخلاء کے آداب بتائے، جس نے اختلافات وتفرقہ بازی سے خود آگاہ کیا، تفرقہ بازی کے مرض کی کوئی دوا تشخیص کر کے نہیں جائے گا یقیناً اپنی امت کے تئیں نبوی فکرمندی میں کہیں نہ کہیں اس موضوع کے لئے بھی کوئی نہ کوئی جگہ ضرور ہوگی اور آپ کی محیط وہمہ گیر تعلیمات میں اس اہم مسئلے کو یونہی نہیں چھوڑا گیا ہوگا اسی لئے جن روایات میں اختلاف وافتراق امت کی نشاندہی ہے، انہیں میں یہ بات بھی درج ہے کہ ایسے اوقات میں معیار حق وباطل اشخاص نہیں بلکہ صحابہ کرام کی فہم وفقہ کی روشنی میں قرآن وسنت پیمانہ حق وباطل ہے۔

پھر اگر اختلافات امت کی بنیادوں کو پڑھا جائے، ان کی وجوہ وعلل تک رسائی کی کوشش کی جائے، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ امت کے یہ اختلافات دو نوعیت کے ہیں ایک فروعاتی اور دوسرے اصولی وعقائدی۔ ان دونوں نوعیت کے اختلافات کی جڑیں بڑی گہری ہیں البتہ عقدی نوعیت کے اختلافات بدترین اختلافات ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی فقہاء اربعہ کی شان میں غلو کرنے کی بنا پر رونما ہونے والے شدید اختلافات کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھ لے کہ خود فقہاء اربعہ اس اختلافاتی منہج کے متبع تھے یعنی ہر امام نے اپنا الگ طریقہ استدلال وطریقہ فتوی اختراع فرمایا ہوا تھا، اس لئے چاروں کے راستے مختلف ہوگئے، لیکن یہ واہمہ حقیقت کی کسوٹی پر غلط ثابت ہوتا ہے، اور فطری وجوہات کی بنا پر فروعاتی اختلاف کے باوجود منہج وطریقہ کار اور معیار حق وباطل نیز مسئلہ ایمان کو چھوڑ کر عقیدہ وتوحید میں یہ چاروں روشن منارات ہدی ایک روش ہی کے راہی تھے، سب کا ماننا تھا کہ کوئی بھی مافوق النقد، ومافوق النصوص نہیں ہوسکتا۔ کسی کا بھی یہ دعوی نہیں کہ حق میری آراء میں محصور ہے، کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ میری باتیں ناقابل رد ہیں۔ سب کا ایک ہی موقف ہے کہ ہم سب انسان ہے، ہم آج کچھ کہتے ہیں کل اپنی ہی باتوں سے رجوع بھی کرلیتے ہیں اس لئے بلا دلیل کے ہمارے فتووں کو نقل کرنا، ان پر عمل کرنا اور انہیں بطور فتوی بیان کرنا روا ہی نہیں، مثلا چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔" [حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۷, وأیقاظ الھمم ص۲۶] مزید فرماتے ہیں: " جو میری کتابوں سے فتوی دیتا ہے اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ یہ جانے بغیر فتوی دے کہ میں نے وہ بات کہاں سے کہی ہے۔ [الانتقاء لابن عبدالبر ۱۴۵ والمیزان الکبری للشعرانی ۱/۸۵]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " میں ایک انسان ہوں، خطا کرتا ہوں اور صحیح بھی کہتا ہوں، میری آراء پر غور وفکر کرو، جو ان میں قرآن وسنت کے موافق ہوں، اسے لے لو اور میری ہر اس بات کو ترک کردو جو قرآن وسنت سے موافقت نہیں رکھتی

ہو۔"...[ایقاظ الھمم ۲۷]۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب تم میری کتاب میں سنت رسول سے مخالفت پاؤ، تو سنت رسول کو اپناؤ اور میری بات کو ترک کر دو۔ ایک اور روایت میں یہ ہے: تم سنت کی اتباع کرو اور کسی کی بات پر توجہ نہ دو''۔ [کتاب مسئلۃ الاحتجاج بالشافعی ص ۲۷، مناقب الشافعی ۱/۲۷۴]۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو کسی حدیث رسول کو رد کر دیتا ہے، وہ ہلاکت کے کنارے پر ہے۔"...[شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ۳/۰۳۴]۔ مزید آپ فرماتے ہیں: "میری تقلید نہ کرو، نہ مالک کی، نہ شافعی کی، نہ اوزاعی کی، نہ ثوری کی۔ وہیں سے دین اخذ کرو جہاں سے انہوں نے اخذ کیا۔"...[اعلام الموقعین ۲/۱۰۲]۔

آپ ان ائمہ کے اقوال کو دیکھیں، سب نے مل یہی بات کہی ہے کہ سنت کی اتباع ہونی چاہئے اور اس کی مخالفت کسی بھی صورت نہیں ہونی چاہئے پھر بھی ان کے متعلق چوتھی صدی ہجری میں تعصب کی نہایت مقیت شکل ایجاد کی گئی، اور ان کی منشا کے خلاف انہیں معیار حق و باطل قرار دیا گیا، بلکہ جو انہیں یہ مقام نہیں دیتا، جس کا خود انہیں نہ اعتراف تھا نہ علم، اسے مطعون کیا جاتا ہے، بالخصوص ان میں سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق تو بڑی مبالغہ آرائیاں آپ کے مقلدین کی ملتیں ہیں۔ بسا اوقات تو ایسا لگتا ہے کہ آپ کا مقام کنایہ کسی نبی سے کم نہیں دکھایا جا رہا، چنانچہ کسی نے آپ کے متعلق یہ دعوی کیا کہ توریت میں آپ کی بشارت موجود ہے، [المکی فی مناقب ابی حنیفہ ص۰۲]، کسی نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے نام کے ساتھ آپ کو امت کا چراغ قرار دیا ہے [تاریخ بغداد للبغدادی ۳۱/۵۵۳، ۶۳۳، منقب المکی ص ۵۱]، آپ کو ایسی صفات سے یاد کیا گیا جن سے آپ کا رتبہ حد سے زیادہ بڑھ گیا، اور آپ کی شان کو بھی حد سے آگے بڑھا دیا گیا اور تعصب سے کام لیا گیا۔

جب آپ ان باتوں پر اور اس طرح کی ڈھیر ساری منقولات پر غور کریں گے، اور سر جوڑ کر بیٹھیں گے، تو بڑی آسان سی بات سمجھ آئے گی کہ آخر ان کے مقلدین نے ان کی منشا کے خلاف انہیں کیوں حق و باطل کا پیمانہ مان لیا اور کیسے یہ عادت سیئہ امت میں در آئی؟ تھوڑا سا عقل پر زور دینے سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ کوئی بھی وہ شخص جو معصومیت سے متصف نہیں اور نہ ہی علم کلی کا دعوے دار ہے، کیسے ولاء و براء، محبت و بغض کا معیار ہو سکتا ہے، جب ایسا صحابہ کے واسطے روا نہیں، تو عام امتیوں کے متعلق کیسے روا قرار دیا جا سکتا ہے؟ حتی کہ عہد نبوی میں صحابہ کرام بھی شرعی امور میں بعض انسانی تقاضوں، عدم علم، وعدم تذکر، یا قلت فہم، یا عدم وصول حدیث جیسی کثیر وجوہات کی بنا پر غلطیوں سے محفوظ نہیں رہتے تھے، تو پھر اس زمانے اور ائمہ کے زمانے میں ایک لمبے مرحلے کی خلاء کے بعد کیسے کوئی شخص من کل الوجوہ حق و صواب ہی پر قائم رہ سکتا ہے۔

اسی لئے امت کی گمراہیوں میں دو وجوہات ہمیشہ کارفرما دیکھیں گے: پہلی: ترک سنت، یا جہل بالسنّت۔ دوم: شخصیت میں غلو یا شخصیت پرستی۔

قرآن کریم کی آیتیں جہاں راہ ہدایت کا آئیڈیل وصف بیان کرتیں ہیں، وہاں مفرد کے بجائے جمع کا صیغہ استعمال کرتیں ہیں، مثلا} ویتبع غیر سبیل المؤمنین، صراط الذین انعمت علیھم پھر حدیثیں چونکہ قرآن کی تشریحی حیثیت رکھتی ہیں، تو ان میں بھی صراط مستقیم کو ایک جماعت سے جوڑ کر بیان کیا ہے، نہ کہ کسی فرد واحد سے، چاہے وہ وقت کے ابوبکر یا عمر ہی کیوں نہ ہوں۔ رضی اللہ عنہما۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چاروں ائمہ کرام کا منہج استنباط واصول فتوی، وطریقہ فہم مل کر قابل اقتداء ہے، نہ کہ کسی ایک کا گویا کہ راہ حق کے متلاشی کے لئے صرف حنفی، مالکی، شافعی، یا حنبلی ہونا صحیح نہیں بلکہ بیک وقت منہج ان سب کی شاہراہ کتاب وسنت کو اختیار کرنا ضروری ہے، یہی ان ائمہ کرام کے حق اقتداء اور حق خدمت دین کی ادائیگی ہے، وگرنہ ان میں سے کسی ایک کو لے کر ڈھونا اور الگ الگ تعصّبات کی محفلیں سجانا خود ان اماموں کے حق میں کوتاہی اور ان کے بتائے ہوئے طریق سے انحراف ہے۔

پھر ہمیں یہ بات بھی بڑی عجیب اور نا قابل فہم لگتی ہے کہ خود ان ائمہ کے پلو کو تھام کر جنت حصولی کا گمان رکھنے والے متقدمین ومتاخرین میں اس بات پر یکسانیت کیوں نہیں کہ یہ ائمہ آنکھ موند کر قابل تقلید ہیں، متقدمین کا اپنے ائمہ سے بکثرت مسائل میں اختلاف کرنا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ خود ان عظیم ہستیوں کے شاگردوں نے اس شے کو لازم نہیں مانا، جسے متاخرین نے اپنے اوپر بلا سوچے سمجھے تھونپ لیا، پھر اگر ان ائمہ کے شاگردان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اساتذہ سے ان گنت مسائل میں اختلاف کر سکتے ہیں، تو متاخرین اس حق سے کس علمی نص کی بنا پر دست بردار ہو گئے اور پھر اختلاف کا حق صرف شاگردان ہی کے لئے کیوں خاص کیا گیا اور دوسرے مسالک کے متبعین کے لئے اس حق اختلاف کی نفی کیوں کی گئی؟ اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حق کو کسی امام یا امام کے شاگردان یا مقلدین میں کیوں محصور کر دیا گیا؟ کیا ایسا ممکن نہیں تھا کہ حق ان چاروں کے علاوہ کسی اور کی رائے میں بھی رکھا ہو جبکہ امت میں اہل علم کی ہر زمانے میں بھرمار رہی ہے اور اگر حق اختلاف ہے، تو دلیل کی بنا پر حق مخالفت کیوں نہیں؟ اگر اس طرح کے ڈھیر سارے سوالات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو کم از کم مذاہب کی بنا پر تعصّبات وتنافرات کی کوئی جائز تعلیل نہیں سمجھ آئے گی اور ان ائمہ میں سے کسی ایک کی پابندی کو خلاف مذاہب ائمہ ومنہج سلف منہج ماننے والے لوگوں کو مطعون کرنے اور انہیں مختلف بھونڈے القاب سے ملقب کرنے کی عادت تعجب خیز اور افسوس ناک بھی ہوگی۔

پھر اس پر مستزاد بات یہ کہ قرآن کریم نے بوقت اختلاف امت رد الخلافات الی القرآن والسنۃ کی بات کی ہے۔ فردوہ الی اللہ والرسول ...گویا سارے

اختلافات برحق نہیں ہوسکتے، نہ ہی اختلافات رحمت ہوسکتے ہیں، چہ جائیکہ یہ کہہ کرکہ سارے مختلف فیہ مسالک مبنی برحق ہیں، ابقائے اختلافات کو رفع اختلافات سمجھ لیا جائے، ہاں اگر نصوص میں کہیں مختلف اختیارات ہیں، تو انہیں اختلافات نہیں کہا جاسکتا، جب کبھی اس طرح کی منہجی گفتگو کی جاتی ہے، تو وہاں پر اختلافات سے مراد اختلاف عن النصوص ہوتا ہے، جن پر بہرصورت قرآن وسنت کا پیمانہ نافذ ہونا چاہئے، لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا، یا ہوتا ہے، تو سابقہ اس ذہنیت کے ساتھ جس کی بناپر استدلال للمذہب کی کوشش ہوتی ہے، نہ استدلال لصیاغۃ الرائے والمذہب کی بات ہوتی ہے، یہ ایک لحہ فکریہ ہے، جس پر سنجیدگی سے غور کرتوسع کی ضرورت ہے۔

بعض لوگوں سے یہ بھی سننے کو ملا کہ اللہ نے خود اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم مؤمنین کے راستے کی اتباع کریں، اس لئے ہم کسی بھی ایک امام سے مقید ہوکر اس آیت کے اطلاق کی تنفیذ کرتے ہیں، اور ہماری تقلید بھی دائرہ نص میں آجاتی ہے، لیکن اس فہم کو یا تو سادگی کہئے، یا پھر نص کے مفہوم میں کھینچا تانی کیونکہ خود اس نص میں حق کو ایک شخص کی فہم میں محصور کرنے کی ممانعت موجود ہے بلکہ اس آیت کو دوسری آیتوں اور احادیث مبارکہ سے جوڑ کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، حق افراد میں نہیں جماعت میں محصور ہے اور وہ جماعت صحابہ کرام کی جماعت ہے، گویا کسی بھی متلاشی حق جماعت کا شیوہ صحابہ کرام کی فہم ہونی چاہئے، نہ کہ بعد کے ادوار کے کسی فرد واحد کی فہم اور صحابہ کو ولاء وبراء کا معیار بنانا چاہئے، نہ کہ کسی فرد واحد کو حب وبغض کا معیار بنانا چاہئے، امت کے یہ عظیم ائمہ خادم دین تھے، لیکن غلطی سے ورے نہیں تھے، معصوم عن الخطا نہیں تھے، علم کلی کے مالک نہیں تھے اور اپنے اجتہادات میں خطاؤں کے امکان سے بالاتر نہیں تھے, یقیناً یہ اور ان کے ساتھ دوسرے ائمہ حدیث وفقہ سارے مل کر ایک منہج تکوین دیتے ہیں، جسے منہج سلف کہتے ہیں اور اسی سے سلفیت ہے، اس لئے ان اسلاف سے محبت کرنے والے کسی بھی فرد مؤمن کو سلفی اور متبع کتاب وسنت ہونا ضروری ہے، نہ کہ کچھ اور...

یوں تو ہر مسلمان ظاہری طور پر دعوی اتباع کتاب وسنت کرتا ہے، ہر بازار میں یہی بولی بول کر اپنے اپنے سامان فروخت کرنے اور اس کی تشہیر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن عملی طور پر سنی مسالک ومذاہب میں اس دعوے کی واقعی کارفرمائی کو دیکھا جائے تو نتیجتاً دو باتیں سامنے آتیں ہیں:

۱-بعض احباب یہ سمجھتے ہیں کہ اتباع قرآن وسنت فلاں امام یا شخص کی تقلید میں محصور ہے۔

۲-بعض احباب اس دھوکے میں ہیں کہ اتباع قرآن وسنت میں فہم سلف کو کوئی مرجعیت حاصل نہیں۔

یہ دونوں طریقہ فہم ان گنت اصولی وفروعی مسائل میں قرآن وسنت سے انحراف کی وجہ ہیں، اسی لئے ان دونوں منہج کے حامل گروہوں کے فقہی وعقدی اختیارات میں متعدد جگہوں پر ترک نص یا اعراض عن صراحت النص ودلالۃ النص جیسے مہلک امور ملتے ہیں، کیونکہ ایک جماعت کے فقہی وعقدی اختیارات کسی ایک شخص سے وابستہ ہیں، تو دوسری جماعت کے یہاں ان اختیارات میں بے لگام عقلیت کارفرما ہے، اس لئے ادھر تاویل سے نصوص کا آپریشن ہوتا ہے، تو ادھر عقل پرستی کی بناپر بہت ساری نصوص کو ناقابل اعتناء مان لیا جاتا ہے، ان دونوں طرز فکر کی منہجی مجبوری کبھی صحابہ میں فقیہ وغیر فقیہ کی تقسیم کراتی ہے، تو کبھی احادیث مبارکہ کو عقل کے معیار پر تول کر نا قابل عمل یا قابل رد بنادیتی ہے، عصر حاضر ہی میں نہیں ہر زمانے میں یہ خلل پایا گیا ہے، لیکن عصر حاضر میں اس خلل کی نئی نئی شکلیں ایجاد ہوگئیں ہیں، یہ دونوں مناہج اور طرق فہم نہایت مہلک اور مبنی بر انحراف ہیں، ان اختلافات اور تفرقات کے جوش مارتے ہوئے سمندر میں جو منہج ہمیں نجات دلاسکتا ہے، وہ ہے کتاب وسنت کو فہم صحابہ ومنہج صحابہ کے طریقے پر سمجھنے کی کوشش کرنا، اپنے تفرقات کو اسی راستے پر چل کر ختم کرنے کی کوشش کرنا، اختلاف بالدلیل، یا نقد بالدلیل کو کسی امام کی شان میں گستاخی نہیں سمجھنا، بلکہ اس امام کی تعلیمات کا حصہ سمجھنا، جہاں فروعی مسائل میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جانا، تو وہیں عقدی مسائل کو قرآن وسنت کے ظاہری نصوص پر تول کر دیکھنا، اور جدھر وہ لے جائیں، بلا سابقہ کسی اختیار یا پسند کے ادھر ہی چلتے چلے جانا، یہی منہج ائمہ تھا اور یہی طریقہ صحابہ اللہ ہمیں راہ حق کا راہی بنائے۔

☆☆☆

مکتبہ ترجمان کی تازہ پیشکش

نکاح نامہ رجسٹر

☆ کتاب وسنت کی روشنی میں تیار شدہ

☆ مارکیٹ میں دستیاب تمام نکاح ناموں سے منفرد۔

☆ نکاح سے متعلق بنیادی احکام ومسائل سے آراستہ

☆ نہایت دیدہ زیب اور آرٹ پیپر پر طباعت

☆ ہر مسجد ومدرسہ کی بڑی ضرورت۔

اوراق:150 قیمت:Rs.200/-Net

حقوق العباد کی اہمیت

مولانا محمد ثمامہ رحمت اللہ عمری

بنیادی طور پر ایک انسان پر عائد ہونے والے حقوق دو طرح کے ہیں؛ ایک جو اللہ اور بندوں کے مابین ہے، ان میں سب سے اہم حق توحید ہے، نبی کریم ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''یا معاذ! أتدری ماحق الله علی العباد ؟ قال: الله ورسوله اعلم، قال: أن یعبدوه ولایشرکوا به شیئا'' [صحیح بخاری :۷۳۷۳] ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! تجھے معلوم ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: ''اللہ تعالی کا حق اپنے بندوں کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے''۔ توحید کے بعد اہم حقوق نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روز قیامت حقوق اللہ کے بارے میں پہلا سوال نماز کے متعلق کیا جائے گا'' فرمایا: ''ان اول مایحاسب الناس به یوم القیامة من أعمالهم الصلاة'' [ابوداود] ترجمہ: ''قیامت کے دن لوگوں سے ان کے اعمال میں سے جس چیز کے بارے میں سب سے پہلے پوچھ تاچھ کی جائے گی وہ نماز ہوگی''۔

دوسرے وہ حقوق ہیں جو ایک بندہ کا دوسرے بندوں پر عائد ہوتے ہیں، ان میں سب سے اہم حق جان کی حفاظت ہے۔ اسی لئے ناحق قتل کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ بتلایا گیا ہے: ''الکبائر :الاشراک بالله وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس'' [صحیح البخاری]۔ ترجمہ: ''کبائر، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کی ناحق جان لینا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم کھانا ہے۔ روز قیامت حقوق العباد سے متعلق سب سے پہلا فیصلہ خون کے متعلق کیا جائے گا: ''أول مایقضی بین الناس یوم القیامة فی الدماء [متفق علیہ واللفظ لمسلم]۔ ترجمہ: ''سب سے پہلے قیامت کے دن لوگوں کے درمیان خون خرابے کے فیصلے کیے جائیں گے''۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالی نے متعدد مقامات پر ان دونوں حقوق کو ادا کرنے اور امانت کو حقدار تک پہنچانے کا حکم دیا ہے فرمایا: ﴿ان الله یامرکم أن تودوا الأمانات الی أهلها﴾ [۵۸]۔ ترجمہ: ''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچادو''۔ علامہ ڈاکٹر لقمان السلفی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ''اللہ تعالی نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ امانتوں کی سختی سے حفاظت کریں، اور ان کی ادائیگی میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں۔ ابوداود، ترمذی اور دارمی وغیرہم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''امانت ادا کرو اور جو خیانت کرے، اس کے ساتھ خیانت نہ کرو''۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کلمہ ''امانت'' تمام قسم کی امانتوں کو شامل ہے، چاہے وہ اللہ کے حقوق ہوں جیسے نماز، زکاۃ اور روزہ وغیرہ اور چاہے بندوں کے آپس کے حقوق ہوں جو انہیں ادا نہیں کرے گا تو مسلم واحمد کی روایت کردہ ایک صحیح حدیث کے مطابق انہیں قیامت کے دن ادا کرے گا یہاں تک کہ بے سینگ کی بکری کا قصاص سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ ''لتؤدن الحقوق الی اهلها یوم القیامه حتی یقاد للشاقا الجلحاء من الشاة القرناء'' [مسلم]۔ ترجمہ: ''تم حقداروں کے حقوق ادا کروگے یہاں تک کہ قیامت کے دن بے سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا''۔ بلکہ روز قیامت مظلوم کا حق دلوانے کے لیے اللہ تعالی خود ان کی جانب سے مدعی بنیں گے جیسا کہ حدیث قدسی کے اندر فرمایا ''ثلاثة اناخصمهم یوم القیامة رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاكل ثمنة ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منه ولم یعطه اجره'' [صحیح البخاری ۲۲۲۷] ترجمہ: ''تین طرح کے لوگ ایسے ہوں گے جن کا قیامت کے دن میں مدعی بنوں گا، ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا اور وہ توڑ دیا، وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور وہ شخص جس نے کوئی مزدور اجرت پر رکھا، اس سے پورا کام لیا، لیکن اس کی مزدوری نہیں دی''۔

یہ دونوں حقوق اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، بلکہ شریعت مطہرہ کی پوری تعلیمات انہی دو حقوق کے اردگرد گھومتی ہیں، لیکن اخروی زندگی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حقوق العباد کا معاملہ زیادہ سخت اور سنگین ہے۔ بلکہ اس میں کوتاہی حقوق اللہ میں بھی کمی کا سبب بن جاتی ہے، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''ان رسول الله ﷺ قال: اتدرون ماالمفلس ؟قالوا المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع ،فقال ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیامة بصلاةوصیام وزکاة ، ویاتی قد شتم هذا ،وقذف هذا ،واکل مال هذا ،وسفک دم هذا ،وضرب هذا ،فیعطی هذا من حسناته ،وهذا من حسناته ، فان فنیت حسناته قبل أن یقضی ماعلیه ،اخذ من خطایاهم فطرحت علیه ،ثم طرح فی النار'' [صحیح مسلم :۲۵۸۱]۔ ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کی ہم میں تو مفلس وہ

ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو اور نہ سامان تجارت وغیرہ، آپ ﷺ نے فرمایا ،درحقیقت میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز ،روزہ اور زکوۃ لے کر آئے گا لیکن اس طرح آئے گا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، اس کی نیکیاں اسے بھی دے دی جائیں گی اور اسے بھی، اگر اس کی نیکیاں حقوق کی ادائیگی سے پہلے ختم ہوگئیں تو حق لینے والوں کی برائیاں اس پر ڈال کر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔

عام طور پر حق تلفی تین چیزوں میں پائی جاتی ہے انسان کی جان، مال اور عزت وآبرو۔ جو معاشرہ ان چیزوں سے پاک ہوتا ہے پرامن معاشرہ کہلاتا ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حجۃ الودع کے موقعہ پر ان کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: ''**ان دمائکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا**''. ترجمہ: ''اللہ تعالی نے تمہارا خون، تمہارا مال اور عزت ایک دوسرے پر (ناحق) اس طرح حرام کردی ہیں جیسے اس کی حرمت اس مہینہ اور اس شہر میں ہے''۔

حقوق العباد سے کھلواڑ کرنا، دوسروں کے مال وجائداد پر ناحق قبضہ جمانا، ظلم وزیادتی کرنا اتنا سنگین گناہ ہے کہ روز قیامت ظالم انسان اللہ کے حضور معافی کی امید لگائے کھڑا ہوگا، لیکن انہیں معافی نہیں دی جائے گی، کیونکہ رب العالمین کا عام قانون ہے کہ ظالم کو مظلوم کی معافی کے بغیر معاف نہیں کرے گا۔ جیسا کہ قرض کے متعلق فرمایا: شہادت جیسا عظیم عمل بھی اس کی معافی کا سبب نہیں بن سکے گا۔ ''**یغفر للشھید کل ذنب الاالدین**'' [صحیح مسلم] ترجمہ: ''شہید کے تمام گناہ معاف کردئے جائیں گے سوائے قرض کے''۔ اور دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دوسرے کی زمین کو ناحق ہڑپنے اور قبضہ جمانے پر سخت وعید سنائی ہے، فرمایا: ''**من أخذ شبرا من الارض ظلما فانه یطوقه یوم القیامه من سبع أرضین**'' [**صحیح البخاری** :۳۱۹۸] ترجمہ: ''جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلم سے کسی کی دبالی تو قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالا جائے گا''۔ اسی وجہ سے حدیث میں حقوق العباد سے متعلق ہر مسلمان کو محتاط رہنے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں معاملات کو رفع دفع کرنے کی تلقین کی گئی ہے فرمایا: ''**من کان لہ مظلمۃ لأخیہ من عرضہ أومن شیئی فلیتحللہ منہ الیوم قبل أن لایکون دینار ولادرھم ، ان کا لہ عمل صالح أخذمنہ بقدر مظلمتہ وان لم یکن لہ حسنات أخذ من سیئات صاحبہ فحمل علیہ**'' [صحیح البخاری]۔ ترجمہ: ''جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ اس سے (اس دنیا میں) معاف کرالے۔ اس لیے کہ آخرت میں روپے پیسے نہیں ہوں گے ،اس سے پہلے (معاف کرالے) کہ اس کے بھائی کے لیے اس کی نیکیوں میں سے حق دلایا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو (مظلوم) بھائی کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی''۔

نبی اکرم ﷺ نے خود عملی طور پر اپنی امت کو اس جانب توجہ دلایا ہے، فرمایا: ''**اللھم انما أنا بشر فایما رجل من المسلمین سببتہ أو لعنتہ أو جلدتہ فاجعلھا لھا زکاۃ ورحمۃ**'' [صحیح مسلم]۔ ترجمہ: ''یا اللہ میں (ایک) انسان ہوں تو جس مسلمان کو میں برا کہوں یا لعنت کروں یا ماروں، تو اس کو پاک کردے اور اس پر رحم کر''۔

معلوم ہوا کہ صرف حقوق اللہ کی ادائیگی آخرت میں نجات کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ حقوق اللہ میں کمی کوتاہی کو اللہ تعالی اپنی رحمت سے بخش بھی سکتا ہے جب کہ حقوق العباد میں کمی کوتاہی کا روز قیامت ہر حال میں بدلہ چکانا ہوگا۔ یہ انسان کے گلے کی ہڈی بننے والی ہے، اس لیے ہر مسلمان کو حقوق العباد کے معاملے میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالی ہم تمام مسلمانوں کو حقوق العباد میں کمی کوتاہی سے بچائے۔ آمین

☆☆☆

مضمون نویسوں سے گزارش

۱۔ مضمون صاف، خوشخط یا کمپیوٹرائزڈ بھیجیں۔

۲۔ مضمون کی اصل کاپی روانہ کریں۔ شائع شدہ مضامین ارسال نہ فرمائیں۔

۳۔ مضمون کی فوٹو کاپی دفتر کو ارسال نہ کریں، فوٹو کاپی میں بعض حروف مٹ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ایسے مضامین کی اشاعت روک دی جاتی ہے۔

۴۔ مضمون نگار حضرات اپنا پورا پتہ اور موبائل نمبر ضرور لکھیں۔

۵۔ کسی مضمون میں اقتباس نقل کرتے وقت کتابوں کا حوالہ ضرور دیں۔

۶۔ قرآنی آیات اور احادیث کی پوری تخریج اور مصادر کا حوالہ ذکر کریں۔

۷۔ کسی دینی مسئلہ پر کوئی مضمون ہو تو اس پر ہر ناحیے سے بحث کرنے کے بعد راجح موقف بیان کریں۔

۸۔ اپنے مضامین میں پرجوش خطیبانہ یا منافرت پھیلانے والے اسلوب سے گریز کریں۔

(ادارہ جریدہ ترجمان)

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

مولانا عبدالمنان شکراوی، دہلی

بچوں کی تربیت اہم ذمہ داری

اولاد انسان کی زندگی کی خوبصورتی، زیب وزینت اور اس کی تمامتر توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔اس کے روشن مستقبل اور عیش وتنعم کی خاطر اپنی قیمتی سے قیمتی دولت اس پر نچھاور کرتا ہے اور اس کی خاطر خطرناک سے خطرناک اقدام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ کیوں نہ ہو، اولاد اللہ تعالیٰ کا بیش بہا تحفہ وہدیہ ہے اس کی نگہداشت اور پرورش وپرداخت اس بات کی متقاضی ہے کہ اللہ کی اس بیش بہا دولت پر اسی کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کے مطابق خاطر خواہ توجہ مرکوز کی جائے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلاً (الکھف:۴۶) ترجمہ:''مال واولاد تو دنیا کی زینت ہے اور (ہاں) البتہ باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ازروئے ثواب اور (آئندہ کی) اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں۔''اسلام نے اولاد کی بہتر تربیت کا روز اول ہی سے بھرپور اہتمام کیا ہے اور نیک اولاد کی خاطر پہلے قدم کے طور پر شادی کے لیے نیک عورت کے انتخاب کی ترغیب دی ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:عورت سے چار سبب کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔اس کے مال کے لیے ،اس کی خوبصورتی کے لیے، حسب ونسب کے لیے اور دین کے لیے تو تو دین دار کے ساتھ (نکاح کرکے) کامیابی حاصل کر۔تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔(مسلم)

موجودہ دور اس ناحیے سے بہت ہی پرآشوب اور خطرناک ہے کہ اس میں بگاڑ وفساد کے بے شمار وسائل وذرائع وجود پذیر ہوگئے ہیں۔فتنوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہرکسی کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے۔نفسانی خواہشات کے فتنے، بازاروں اور عورتوں کے فتنے بے شمار ٹی وی چینلز اور موبائل کے فتنے، غلط قسم کے دوستوں کے فتنے وغیرہ وغیرہ۔ایسے میں ماں باپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بڑی ہی متانت وسنجیدگی سے سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرتے ہوئے فساد وبگاڑ اور سطحی قسم کی لایعنی فحش وبیجا گفتگو، گھٹیا وبیہودہ حرکتوں اور اخلاق باختہ پروگراموں سے بچوں کی حفاظت، ان کے ذہن ودماغ میں اعلیٰ اخلاق وکردار کی تخم ریزی اور انہیں باادب، سلیقہ مند اور مہذب بنانے کی کوشش کریں۔

بچے کورے کاغذ کی طرح ہوتے ہیں جس پر آپ جو چاہیں لکھ دیں، بچوں کو بھی جس قالب میں ڈھالنا چاہیں ڈھال سکتے ہیں۔فطرتاً وہ نیک ہوتے ہیں بس انہیں اچھے ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودوی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' بچے یا تو اپنے ماں باپ کے لیے لائق فخر وباعث عزت وشرف ہوتے ہیں یا موجب مصیبت وفضیحت بنتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلاً (الکھف:۴۶) ترجمہ:''مال واولاد تو دنیا کی زینت ہے اور (ہاں) البتہ باقی رہنے والی نیکیاں۔تیرے رب کے نزدیک ازروئے ثواب اور (آئندہ کی) اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں۔'' دوسری جگہ فرمایا:انما اموالکم واولادکم فتنة. (التغابن:۱۵) ترجمہ:''تمہارے مال اور اولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہیں۔''اگر انہیں اچھی تربیت دی گئی تو وہ والدین وخاندان کے لیے اچھے ثابت ہوں گے اور نیک نامی کا سبب بنیں گے۔اس کے برعکس ان کی تربیت کے سلسلے میں لاپرواہی برتی گئی تو وہ فساد وبگاڑ کا شکار ہوجائیں گے اور آپ کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔

آج کتنے ہی بچے اپنے ماں باپ کے لیے مصیبت وپریشانی کا سبب بنے رہتے ہیں اور کتنے ہی ماں باپ اپنی اولاد کی ناشائستہ اور بیہودہ حرکتوں کی بنا پر روتے بلکتے پھرتے ہیں کیونکہ انہوں نے بچپنے میں ان کی صحیح تربیت نہیں کی۔جس کے نتیجے میں بڑھاپے کے اندر تکلیف کا سبب بننا ایک فطری امر ہے۔پرانی کہاوت ہے:''پیڑ بوئے ببول کے، آم کہاں سے کھائے۔'' بیوی بچے بسا اوقات انسان کے دشمن ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التغابن:۱۴) ترجمہ:''اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں۔پس ان سے ہوشیار رہنا۔اور اگر تم معاف کردو اور درگزر کرجاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے محض اولاد کی دعا نہ کرکے نیک وپاکباز اولاد کی دعا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے بایں الفاظ دعا کی:رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصافات:۱۰۰) ترجمہ:''اے میرے رب مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔''اور حضرت زکریا علیہ السلام سے متعلق فرمایا کہ انہوں یوں دعا کی:قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (آل عمران:۳۸) ترجمہ:''کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔''

کتنے ہی ماں باپ اپنی اولاد کو نماز ضائع کرتے ہوئے یا نماز کے اوقات میں

سڑکوں پر اور بازاروں میں ٹہلتے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں پھر بھی انہیں نہیں سمجھاتے، نہ ہی پابندی کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا حکم دیتے ہیں اور نہ ان پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ جبکہ شریعت میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طہ:۱۳۲) ترجمہ: ''اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ۔'' جبکہ یہ ان کی بہت ہی اہم ذمہ داری ہے اور اچھی تربیت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (مریم:۵۵) ترجمہ: ''وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور تھا بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (ابراہیم:۴۰) ترجمہ: ''اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔'' اچھی تربیت کے بہت ہی اہم گوشے کی جانب رہنمائی کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بیٹوں کو جب وہ سات سال کے ہوجائیں تو نماز کا حکم دو اور دس سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز کی بنا پر سزا دو اور ان کے بستر علیحدہ کردو۔ (ابوداود)

گھروں میں ٹیلی ویژن کی خرابیاں پہلے ہی کچھ کم نہ تھیں لیکن اب موبائل ایک بہت بڑے فتنے کی شکل میں ظہور پذیر ہوا ہے جو آج سب کے ہاتھوں میں ہے اور جس کے ذریعے فحاشی، بے حیائی اور اباحیت پسندی کو خوب بڑھاوا مل رہا ہے۔ نئی نسلیں تباہ و برباد ہو رہی ہیں، اخلاقیات کا جنازہ نکل رہا ہے اور اقدار مفقود ہوتی جارہی ہیں۔ ماں باپ کے لیے یہ سب کسی بڑی آزمائش سے کم نہیں ہیں۔ لیکن اس کی سنگینی کے باوجود کتنے ہی ماں باپ ہیں جنہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ ان کے بچے گندی فلمیں اور بگاڑ پیدا کرنے والے حیا سوز سیریلز دیکھتے ہیں جن میں فاحشہ اور نیم عریاں عورتوں کی تصویریں و مناظر ہوتے ہیں۔ ایسی گندی فحش فلمیں جن سے اخلاق میں بگاڑ اور عقل میں فتور پیدا ہوتا ہے اور بصیرت و بصارت دونوں کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ یاد رکھیے اور ہوش کے ناخن لے لیجیے کہ ایسے ماں باپ کے لیے ویل ہے، بربادی ہے اور ہلاکت ہے جو اپنی اولاد کو ان سب کی کھلی چھوٹ دیتے ہیں یا ان پر شکنجہ نہیں کستے۔ اولاد کی اچھی تربیت اس کی نگرانی، دیکھ بھال ماں باپ یا سرپرستوں کی اہم ذمہ داری ہے جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: کوئی بھی بندہ ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ رعیت دے پھر وہ اس حال میں مرے کہ وہ اپنی رعیت کے حقوق میں خیانت کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کردے گا۔ (مسلم) اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے سات سال کا ہونے پر نماز پڑھنے اور دس سال کا ہونے پر مارنے اور بستر الگ کرنے کا حکم دیا تاکہ بچے بچپنے ہی سے عفت و پاکدامنی اور دینداری کے ماحول میں تربیت پائیں۔ ذمہ داری ہی کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسؤولا. (الاسراء:۳۶) ترجمہ: ''کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔''

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کتنی پیاری اور قیمتی نصیحتیں کیں ان سنہری نصیحتوں اور الٰہی وصیتوں کو ملاحظہ کیجیے اور گرہ لگا لیجیے کہ ہر باپ اپنی اولاد کو اور ہر بیٹا اپنے بیٹے کو ان کی نصیحت کرے اور اولاد کے بگاڑ و فساد کو روکنے میں اپنا اہم کردار ادا کرے۔ قرآن کریم نے ان نصیحتوں کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے: وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ (لقمان:۱۳-۱۹) ترجمہ: ''اور جبکہ لقمان نے نصیحت کرتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا۔ بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہو۔ تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کردوں گا۔ پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ (بھی) خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے۔ اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا۔ اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آئے

صبر کرنا۔(یقین مان) کہ یہ بڑے تاکیدی کاموں میں سے ہے۔لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا اور زمین پر اکڑ کر نہ چل کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست کر یقیناً آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے۔''

بہت سے ماں باپ اپنے بچوں پر ضرورت سے زیادہ سختی کرتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں ،ان دونوں کے درمیان والا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور افراط وتفریط سے پرہیز کرنا چاہیے۔بچوں کو پیار ومحبت سے اپنے قریب کر کے جذباتی تعلق استوار کرنا چاہیے۔وہ آپ سے محبت کریں گے تو آپ کی بات ماننے میں انہیں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہ ہوگی اور آپ کی خوشی میں اپنی خوشی محسوس کریں گے۔لہٰذا سرپرست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں سختی اور نرمی کے درمیان والا یعنی اعتدال کا راستہ اختیار کرے،نہ اتنا نرم بن جائے کہ اس کی کوئی اہمیت ہی نہ رہ جائے اور اس کے ماتحت لوگ اس کی کسی بات کا وزن ہی محسوس نہ کریں۔اور نہ اتنا سخت کہ اس کی بات سننا تو درکنار اس سے کتراتے پھریں۔

رحم دلی بہت ہی اعلیٰ صفت ہے جس سے ہر مؤمن کو متصف ہونا چاہیے۔اچھی تربیت میں اس کا اہم کردار ہوتا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ لیتے دیکھا تو کہا میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا ہے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''

باپ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود اچھا بن کر اپنے بچوں کے لیے اخلاق وکردار کا اچھا نمونہ پیش کرے۔انسان خود اچھا ہوگا تو اسے دیکھ کر اس کے بچے اچھے بنیں گے اور یہ اس کی نیک نامی کا ذریعہ بھی ہوگا۔اس کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے ایک نیک شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وکان ابوھما صالحا. (اور ان دونوں کا باپ نیک انسان تھا۔)اسی طرح ہر باپ کو اس بات سے احتراز کرنا چاہیے کہ اس کی بدزبانی اس کی اولاد کے لیے بدنامی کا باعث بن جائے اور انہیں اس کی وجہ سے طعنے سننے پڑیں کہ تمہارا باپ بڑا اکھڑ،بدزبان ،بیہودہ، شرابی،جواری اور جھوٹا انسان ہے۔یاد رکھیے آپ کے بچے وہی کرینگے جو آپ کو کرتے ہوئے دیکھیں گے اور اس طرح ان کے اندر آپ کا عکس نظر آئے گا۔لہٰذا آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ان کے لیے اپنے اخلاق وکردار سے اچھا نمونہ پیش کریں اور ان کو بری عادتوں سے محفوظ رکھنے میں اپنی ذمہ داری نبھائیں۔اسی طرح ماں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے لیے عفت وپاکدامنی،شرم وحیا اور گفتار وکردار میں نمونہ بن کر دکھائے تاکہ ان کی پرورش ایک اچھے ماحول میں ہو اور وہ معاشرے کے لیے نیک نامی کا باعث بنیں۔

والدین کو چاہیے کہ وہ اولاد کی اچھی تربیت،ان کے روشن مستقبل کے لیے دعا کا بھی اہتمام کریں۔دعا مومن کا ہتھیار،اس کی پہچان اور اس کی بہترین صفت ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان:۷۴) ترجمہ:''اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔''

بچوں کی اچھی تربیت جہاں ایک بڑی بھاری ذمہ داری اور بے حد مشکل مشن ہے، وہیں اس میں کامیابی،زندگی کے ایک بڑے مقصد کا حصول اور اجروثواب کا موجب بھی ہے۔بچے نیک ہوں گے تو مرنے کے بعد وہ والدین کے لیے اجروثواب کا ذریعہ اور صدقہ جاریہ بنیں گے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے،سوائے تین چیزوں کے۔ایک صدقہ جاریہ،دوسرا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے، تیسرا نیک لڑکا (اولاد) جو اس کے لیے دعا کرے۔''اس میں اجروثواب کا تیسرا ذریعہ نیک اولاد ہے اور وہ اسی وقت کارآمد ہوسکتی ہے جب اس کی تربیت اچھی کی جائے گی۔ایک دوسرے موقعہ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے ہونے پر صبر کرے،انہیں اپنی کمائی سے کھلائے پلائے اور پہنائے تو وہ اس شخص کے لیے قیامت کے دن جہنم سے آڑ ہوں گی۔(ابن ماجہ)

یاد رکھیے! اللہ کے حضور ہر شخص اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے جواب دہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔امام لوگوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا،مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا،عورت اپنے خاوند کے گھر والوں کی نگہبان ہے، اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا اور کسی شخص کا خادم اپنے سردار کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔آگاہ ہوجاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوگی۔(بخاری)

لہٰذا ہر قسم کے فتنوں،عادات بد اور خصائل رذیلہ سے اولاد کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور اس بات کو اپنی زندگی کے اہم مقاصد میں شامل کر کے اس کے لیے جدوجہد کرنا اپنے لیے لازم وضروری قرار دینا ہے تبھی ہم اپنے اس فرض وذمہ داری سے عہدہ برآ اور عنداللہ جواب دہی سے بچ سکتے ہیں اور پھر دنیا وآخرت میں اس کے ثمرات وفوائد سے فیضیاب ہوسکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔آمین

☆☆☆

جدید اردو نثر کے ارتقاء میں مکاتیب سرسید کا کردار

ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید جدید اردو نثر کے بانی و موجد تھے۔ انہوں نے اردو نثر کو نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ جس میں بلا کی سادگی واثر آفرینی تھی، زندگی کے ٹھوس حقائق کی ترجمانی تھی، جذبۂ صادق کی فراوانی تھی، تازہ فکر ونظر کی تابانی تھی۔ سنجیدگی و شگفتگی کا بہاؤ تھا، موضوعات کا تنوع تھا، مقصدیت وافادیت کی گل کاری تھی اور آورد، تکلف بناوٹ، تک بندی، مبالغہ آمیزی اور ماورائی خیالات سے بیزاری تھی۔ سرسید نے اردو نثر کی قدیم روایت سے بغاوت کرکے نہ صرف یہ کہ اسے ایک نئے موڑ پر ڈالا بلکہ اس میں بیش بہا اضافہ کرکے ترقی کے امکانات پیدا کردیے۔ اس سلسلے میں فورٹ ولیم کالج کے ادیبوں اور غالب کے تجدیدی کارناموں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ روش قدیم کو ترک کرنے کی جرأت بہت پہلے انہوں نے ہی کی تھی۔ لیکن جدید اردو نثر کے حوالے سے ان کی مساعی کو محض چند ابتدائی نقوش تو کہا جاسکتا ہے لیکن مضبوط اور ٹھوس اقدام نہیں۔ سرسید نے جدید اردو نثر کو جدید تقاضوں سے روشناس کراتے ہوئے بڑی مہارت سے اسے مضبوط و مستحکم اور قابل تقلید بنیادوں پر استوار کیا۔ چنانچہ ڈاکٹر قدسیہ خاتون لکھتی ہیں:

''سرسید ماہر فن تھے۔ انہیں زبان وبیان پر پوری مہارت حاصل تھی۔ وہ اسلوب وزبان پر حاوی ہی نہ تھے بلکہ انکا اصل کمال یہ تھا کہ تجدید کی نئی راہیں متعین کرنے میں ان کی حیثیت مجدد کی تھی۔ سرسید کا نقطہ نظر اور طرز عمل جدید ادبی ترقیوں کا حرف اول، نئے ادبی رجحانات کا نقطہ آغاز اور عصری تقاضوں کا حرف آخر تھا۔ جو نقوش انہوں نے بنائے اور جو زاویے ایجاد کیے وہی اس دور کے نئے علمی شعور اور ادبی ترقیوں کا ماٰمن وماخذ تھے۔ اس دور کے تمام ادباء وشعراء اور محققین نے ان سے پوری روشنی حاصل کی۔ انہیں رجحانات کو اپنا کر وہ اردو ادب میں گراں قدر سرمایے کا اضافہ کرسکے۔''(۱)

شبلی اسی حقیقت کو بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

''سرسید کے جس قدر کارنامے ہیں اگرچہ رفارمیشن اور اصلاح کی حیثیت ہر جگہ نظر آتی ہے، لیکن جو چیزیں خصوصیت کے ساتھ ان کی اصلاح کی بدولت ذرہ سے آفتاب بن گئیں ان میں ایک اردو لٹریچر بھی ہے۔ سرسید ہی کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق وعاشقی کے دائرہ سے نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زور واثر، وسعت وجامعیت اور سادگی اور صفائی سے ادا کرسکتی ہے کہ خود اس کے استاد یعنی فارسی زبان کو آج تک یہ بات نصیب نہیں۔ ملک میں بڑے بڑے انشاء پرداز موجود ہیں جو اپنے اپنے مخصوص دائرہ مضمون کے حکمراں ہیں لیکن ان میں سے ایک شخص بھی نہیں جو سرسید کے بار احسان سے گردن اٹھا سکتا ہو۔ بعض بالکل ان کے دامن تربیت میں پلے ہیں۔ بعضوں نے دور سے فیض اٹھایا ہے، بعض نے مدعیانہ اپنا الگ راستہ نکالا ہے۔ تاہم سرسید کی فیض پذیری سے بالکل آزاد کیوں کر رہ سکتے تھے۔''(۲)

سرسید نے جدید اردو نثر کی داغ بیل ہی نہیں ڈالی بلکہ اسے اس اوج تک پہنچا دیا جس سے آگے ایک قدم بھی بڑھنا ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے اردو نثر کو سنجیدہ علمی مسائل کے اظہار کے قابل بنایا اور عملا خود ایسی نثر نگاری کی کہ جس میں نازک سے نازک مسائل باتوں باتوں میں بیان ہوئے اور جس کی پیروی کرکے محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، نذیر احمد، شبلی، حالی، ذکاء اللہ، وحید الدین سلیم، عبدالحق، سجاد حیدر، ظفر علی خان، شیخ محمد عبداللہ، طفیل احمد، خواجہ غلام الثقلین جیسے اساطین جدید اردو نثر علمی وادبی افق پر صورت خورشید بن کر چمکے۔ اس حقیقت کا اعتراف واحساس خود سرسید کو بھی تھا چنانچہ انہوں نے لکھا کہ:

''جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے اردو زبان کے علم وادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعہ سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یاری دی الفاظ کی درستی، بول چال کی صفائی پر کوشش کی، رنگینی عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا پرہیز کیا۔ تک بندی سے جو اس زمانے میں مقفی عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہوسکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو، جو اپنے دل میں ہو وہی دوسروں کے دل میں پڑے۔ تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔''(۳)

جدید نثر کے حوالے سے سرسید کی یہ کوششیں اکارت نہیں گئیں، بلکہ بارآور ثابت ہوئیں۔ سرسید کے بقول:

''ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ کوشش کہاں تک کارگر ہوئی اور ہمارے ہم وطنوں نے اس کو کس قدر پسند کیا۔ مگر اتنی بات ضرور دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے خیالات میں ضرور تبدیلی آگئی ہے اور اس کی جانب لوگ متوجہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ پہلا ناپسند طریقہ ادا بالکل چھوٹتا جاتا ہے۔ بھاری بھرکم لفظوں اور موٹے موٹے لغتوں سے اردو زبان کا خون نہیں کیا جاتا۔ صفائی اور سادگی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ خیالات بھی بالکل بدلے ہوئے ہیں۔''(۴)

بلاشبہ سرسید نے جدید اردو نثر کو نئی وسعتوں، نئے علمی موضوعات، سائنٹفک اسلوب، حقیقت، سچائی اور فطریت کے اصول سے متعارف کرایا۔ چنانچہ اردو دائرہ معارف کا مضمون نگار لکھتا ہے:

’’سرسید کا اردو ادب کی ترقی میں بھی بڑا حصہ ہے۔ وہ جدید اردو نثر کے بانی ہیں۔ انہوں نے سادہ وسلیس طرز بیان کو مقبول بنادیا۔ اگرچہ ان کی تحریر میں ناہمواری بھی ہوتی ہے اور وہ الفاظ کے انتخاب اور ترتیب میں احتیاط سے کام نہیں لیتے، تاہم ان کے بیان کی تاثیر اور دلکشی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے طرز ادا میں سادگی کی حمایت میں اور منشیانہ تکلفات کے خلاف آواز بلند کی اور اردو نثر کو قصوں اور کہانیوں کی حد سے نکال کر سنجیدہ علمی خیالات کے اظہار کا آلہ بنایا۔ سرسید کے طرز بیان سے آئندہ دور کا اردو ادب بے حد متاثر ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے نثر نگاری کے بعض انداز مرزا غالب سے سیکھے، مگر حقیقت میں اردو میں علمی اور سنجیدہ نثر نگاری کے بانی وہ خود ہی تھے۔ جسے ان کے رفقاء اور ان کے متبعین نے بہت کچھ ترقی دی اور اسالیب اور مباحث کے اعتبار سے بعد کے سارے ادب نے ان کا گہرا اثر قبول کیا۔ ادب میں حقیقت، سچائی اور فطریت کی تحریک صحیح معنوں میں انہوں نے ہی اٹھائی۔‘‘ (۵)

جدید اردو نثر کے فروغ میں ان کی مضمون نگاری ہی نے غیر معمولی کردار ادا نہیں کیا بلکہ ان کے خطوط نے بھی کلیدی رول نبھایا۔ ان کے خطوط جہاں تاریخ وتہذیب کے ماخذ ہیں وہیں وہ جدید اردو نثر کے شہ پارے بھی ہیں۔ جو مضامین انہوں نے تہذیب الاخلاق میں رقم کیے وہی مضامین خطوط میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ جو سادہ وسلیس اور فطری اسلوب ان کے انشائیوں کا ہے وہی سادگی، سچائی اور فطریت خطوط سرسید کا خاصہ ہے۔ جدید علمی نثر کی جس روایت کو انہوں نے تہذیب الاخلاق کے ذریعہ فروغ دیا اسی علمی وسائنٹفک روایت کی پرورش وپرداخت خطوط کے ذریعہ بھی کی۔ غرضیکہ جس طرح سرسید کی شخصیت کا ایک ہی رنگ وآہنگ ہے اسی طرح ان کی نثر کا بھی ایک ہی لب ولہجہ اور یکساں مضمون واسلوب ہے۔ اس لیے سرسید کی عام اردو نثر اور خطوط نگاری کو الگ الگ خانوں میں نہیں رکھا جاسکتا۔ بقول آل احمد سرور:

’’سرسید کے یہاں ایک ہی رنگ، ایک ہی سر، ایک ہی جذبہ ملتا ہے۔ اس وجہ سے ان کے مضامین میں ایک تاثیر اور خطوں میں ایک رفعت ملتی ہے۔ خطوں میں وہی شخصیت جھلکتی ہے جو تہذیب الاخلاق کے کالموں میں‘‘۔(۶)

بلکہ سرسید کی نثر کا جدید رنگ عام مضامین کے مقابلے میں خطوط کے اندر زیادہ شوخ نظر آتا ہے۔ چنانچہ سید عبداللہ لکھتے ہیں:

’’سرسید جس طرح نثر میں مدعا اور مقصد کے داعی ہیں اسی طرح خط نگاری میں بھی مقصد کے علمبردار ہیں۔ انہوں نے مضامین تہذیب الاخلاق میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ صرف کام کی باتیں کہنا جانتے ہیں اور عبارت آرائی، تکلف اور اطناب بے مقصد سے احتراز کرتے ہیں۔ ان کے خطوط عام نثر کے مقابلے میں زیادہ شگفتہ ہیں۔ ان میں قدرے ایجاز بھی مدنظر رہتا ہے... تفصیل کو پسند کرتے ہیں اور اپنی تحریک کے معاملات میں اسی جوش وخروش اور طول کلام کو روا رکھتے ہیں جو مثلاً تہذیب الاخلاق کے مضامین میں ہے۔‘‘ (۷)

اس لیے سرسید کے خطوط کو ان کی عام نثر سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ جدید اردو نثر کی تعمیر وترقی میں جس طرح مضامین تہذیب الاخلاق کا بڑا حصہ ہے اسی طرح ان کے خطوط کا بھی۔ نثر کی دیگر اصناف مثلاً سوانح، تاریخ، مذہب، تمدن، صحافت اور قصے وغیرہ میں مقصدیت وافادیت اور فطریت کی وکالت وتبلیغ اور اصلاح کی کوشش جس طرح مضامین تہذیب الاخلاق میں پائی جاتی ہے اسی طرح خطوط کے اندر بھی یہ مبارک عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جس طرح تہذیب الاخلاق میں مضامین نو کے انبار لگائے گئے ہیں اسی طرح خطوط میں بھی جدید موضوعات کا تموج پایا جاتا ہے۔ خطوط میں سیرت وسوانح بھی ہے اور تاریخی حقائق بھی۔ ادب وانشاء بھی ہے اور تحقیق ومباحثہ بھی اور صحافت وخطابت بھی ہے اور تنقید وتبصرہ بھی، غرضیکہ سرسید کے خطوط میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو کہ جدید اردو نثر کا خاصہ اور امتیاز ہیں۔ ان کے خطوط نے جدید اردو نثر کی نشر واشاعت میں وہی کردار ادا کیا ہے جو کہ مضامین تہذیب الاخلاق اور اس کی سادہ وسلیس نثر نے۔ سرسید ایک خط میں سوانح نگاری کے اصول کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی ممتاز علی کو لکھتے ہیں:

’’لیف (لائف) ایک مدح نامہ نہیں ہوتی بلکہ ایسی ہونی چاہیے کہ اس شخص کی بھلائی برائی سب کا نمونہ ہوں اور الفاظ مدح وذم اس سے زائد معنوں پر دلالت کرنے والے نہ ہوں جو درحقیقت اس میں ہو۔ میری نسبت لکھ دینا کہ بہت ذی علم وفاضل واکمل آدمی ہیں کیسی غلط بات ہے۔‘‘ (۸)

صحافت کے سلسلے میں سرسید کا نظریہ یہ تھا کہ اس میں حقیقت بیانی ہونی چاہیے اور جن مسائل کی جزئیات سے صحافی کو واقفیت تامہ حاصل نہ ہو ان پر اسے خامہ فرسائی نہیں کرنی چاہیے۔ پایونیر کے ایک مراسلہ نگار نے مذہب اسلام سے متعلق غیر مسلمہ حقائق کو سامنے رکھ کر مذہب اسلام کے سلسلے میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ سرسید نے اس کا جواب دیا اور ایڈیٹر کو لکھا کہ:

’’مجھ کو اس بات کے معلوم کرنے سے حیرت ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو مذہب اسلام کے حقائق سے واقف نہیں ہیں ان مسائل پر بحث کرنے میں کیوں حصہ لیتے ہیں۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کارسپانڈنٹ مسمی بہ ٹروتھ کو مذہب اسلام کے مسائل سے بہت کم واقفیت ہے۔‘‘ (۹)

سرسید نے اردو نثر میں کلامی بحث ومباحثہ کو بھی مقام دلایا اور انہوں نے جس علم کلام کی داغ بیل ڈالی تھی اس کی اساس نیچر کے اصول پر رکھی تھی۔ سرسید نے اپنے خطوط میں بھی کلامی مباحث کو شامل کیا اور اس کے اصول وضوابط بیان کیے۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

”تمام علوم گوہم میں نہ سہی مگر دوسری قوموں میں بدرجہ اعلیٰ پہنچ گئے اور پہنچ جاتے ہیں۔ حقائق اشیاء روز بروز واضح ہوتی جاتی ہیں اور جہاں تک بغیر شک کے معلوم ہوگئی ہیں وہ بدرجہ یقین پہنچ گئی ہیں۔ پس اس زمانے کی کسی بات کے مدعی کو دعوی کرنا اور پھر لاادری کہہ دینا کافی نہیں۔ ایسا کرنا خود اپنی ہنسی اڑانا ہے۔ بلکہ ہر بات کا ثبوت اور کافی تسلی بخش جواب چاہیے...پس اس زمانہ میں ضرور ہے کہ دھوکہ کی ٹٹی کو اٹھا ڈالا جاوے اور تمام مسائل اسلام کی حقیقت اعلانیہ بیان کی جاوے تاکہ اس کی روشنی آفتاب کی طرح چمکے اور اسرار دین سب کو معلوم ہوں۔ اور یوں لوگ کہنے لگیں۔

سر خدا کہ عارف و عابد بکس نہ گفت
در چرخ کہ بادہ فروش از کجا شنید“(۱۰)

معلوم یہ ہوا کہ سرسید احمد خان کے خطوط نے جدید اردو نثر کے ارتقاء میں مجددانہ ہی نہیں بلکہ مؤسسانہ کردار بھی ادا کیا، جس کی پیروی ان کے احباب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولانا حالی، مولانا چراغ علی، مولانا نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، مولانا شبلی، ودیگر ادباء مثلاً شرر، مہدی افادی اور ترقی پسند مصنفین سجاد حیدر، پریم چند وغیرہ نے کی۔ اور سرسید کے جلائے ہوئے چراغ سے روشنی حاصل کر کے متعدد اصناف نثر میں جدید فکر وفن کی دنیا کو منور کیا اور اپنے فکر وفن کی عطر بیزیوں سے مشام عالم کو معطر کیا۔ شبلی وحالی نے تو خطوط نگاری کے ساتھ ساتھ دیگر اصناف نثر میں بھی کمال حاصل کیا اور اور پیشوائی کے درجے تک پہنچے لیکن تحریک علی گڑھ کے فیض یافتہ مہدی افادی اپنی خطوط نگاری کی وجہ سے زندہ جاوید ہو گئے۔ اگر ان کے خطوط نہ ہوتے تو وہ کچھ نہ ہوتے۔ محسن الملک کی مضمون نگاری، حالی کی سوانحی وتنقیدی بصیرت، شبلی کا فلسفہ تاریخ وادب، نذیر احمد کے اصلاحی ناول، مولوی چراغ علی کا علم کلام، مولوی ذکاء اللہ، شرر کا تاریخی وادبی شعور، سرسید ہی کے مکتب فیض اثر کے رہین کرم ہیں۔ سرسید کے خطوط نہ صرف عہد ماضی کے ادباء کے لیے مشعل راہ بنے بلکہ آج بھی جدید اردو نثر کے حوالے سے ان کی معنویت مسلم ہے۔ اگر سرسید نہ ہوتے تو جدید ترقی یافتہ ادب بھی وجود میں نہیں آتا۔ جس طرح اس نے ماضی میں متعدد ادبی تحریکات اور ترقی پسند رجحانات کو مضبوط اساس فراہم کی ہے اسی طرح آئندہ نسل اور تحریکات بھی اکتساب فیض کر کے جدید اردو نثر کے گیسوو کاکل کو سنوارنے اور اس کی سنہری روایت کے تسلسل کو آگے بڑھا کر چراغ سے چراغ جلانے کا کارنامہ انجام دیتی رہیں گی۔

مراجع ومصادر: (۱) قدسیہ خاتون، سرسید کی ادبی خدمات، ص ۲۳۵ (۲) آل احمد سرور، انتخاب مضامین سرسید، ص ۱۷ (۳) مقالات سرسید مرتبہ خویشگی، ص ۲۲۷ (۴) ایضا، ص ۲۲۸ (۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مادہ احمد خان (۶) آل احمد سرور، تنقیدی اشارات، ص ۵۶ (۷) نقوش مکاتیب نمبر، ص ۲۸ (۸) مکتوبات سرسید مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، جلد دوم، ص ۱۷۵ (۹) مکاتیب سرسید احمد خان مرتبہ مشتاق حسین، جلد اول، ص ۷۷ (۱۰) ایضا، جلد دوم، ص ۲۸۸-۲۸۹

☆☆

تاریخ ردقادیانیت اور خدمات اہل حدیث کے سلسلہ میں معلومات کا خزانہ
ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کے قلم سے

تحریک ختم نبوت (1 تا 25 جلدیں)

تاریخ اہل حدیث (1 تا 9 جلدیں)

مکتبہ ترجمان کی مطبوعات پر 50% کی رعایت، مدارس، جامعات، مکتبات اور تاجران کتب درج ذیل پتہ سے طلب کریں۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ ترجمان

اہل حدیث منزل، 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ 110006
فون: 011-23273407، فیکس: 011-23246613

صوبائی جمعیت اہلحدیث مغربی بنگال کے زیر نگرانی اور ضلعی جمعیت اہلحدیث بردوان کے زیر اہتمام دعوتی و تنظیمی پروگرام کا انعقاد:

صوبائی جمعیت اہلحدیث مغربی بنگال کے زیرنگرانی اور ضلعی جمعیت اہلحدیث بردوان کے زیراہتمام ناظم اعلی صوبائی جمعیت اہل حدیث مغربی بنگال شیخ ذکی احمد مدنی کے زیرصدارت عالی شان جامع مسجد چوک پور باپاڑہ، تھانہ منگل کوٹ، ضلع بردوان میں یک روزہ دعوتی وتنظیمی پروگرام مورخہ ۱۷ستمبر۲۰۲۲ کونہایت تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوا، مولانا شمس العالم صاحب ضلعی نائب امیر کی تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا، سب سے پہلے ناظم اعلی صوبائی جمعیت اہل حدیث مغربی بنگال شیخ ذکی احمد مدنی نے تمام حاضرین کا استقبال کرتے ہوئے تنظیمی امور پر مقامی جمعیتوں کے ذمہ داران سے باری باری رائے مشورہ کیا اور ایک دوسرے کا تعارف پیش کیا، پھر دوسری نشست کے پہلے مقرر مولانا محمد فاروق ریاضی صاحب نے ''توحید کی اہمیت وفضیلت'' کے عنوان سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ توحید کے بنا کوئی بھی عمل اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔اس کے بعد مولانا رفیق الاسلام سلفی صاحب نے ''اقامت دین'' کے عنوان سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ پر ایمان لانا، نیک عمل کرنا، حق کی دعوت دینا، صبر کی تلقین کرنا وغیرہ کے ذریعہ اقامت دین ممکن ہے، اس کے بعد مولانا انعام الحق صاحب نے ''جمعیت اہلحدیث'' کے عنوان سے اپنی بات پیش کی جس میں انہوں نے بتایا کہ اس تنظیم کے ذریعہ ہی صحیح عقائد لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے، اسی طرح مولانا وحید الزماں تیمی صاحب نائب ناظم صوبائی جمعیت نے ''فتنوں کے دور میں مسلمانوں کا کردار'' کے عنوان سے اپنی تقریر پیش کی جس میں انہوں نے بتایا کہ فتنوں سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرنا، عقیدہ توحید پر ثابت قدم رہنا، کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنا، دینی علم حاصل کرنا وغیرہ امور کے ذریعہ فتنوں سے بچنا ممکن ہوگا۔سب سے اخیر میں صدر مجلس، ناظم اعلی مولانا ذکی احمد مدنی صاحب نے ''دنیا میں سب سے بڑا اور معزز کون ہے؟'' کے عنوان سے سامعین کو مخاطب کیا اور کہا کہ دنیا کے ہر میدان میں ہر شخص اپنے آپکو سب سے بڑا دیکھنا چاہتا ہے، کوئی شخص سب سے بڑا تاجر بننا چاہتا ہے، کوئی بڑا ڈاکٹر بننا چاہتا ہے، کوئی بڑا سائنسداں بننا چاہتا ہے، کوئی بڑا سیاستداں بننا چاہتا ہے اسی طرح ہر انسان اپنے اپنے حساب سے بڑا اور معزز بننے کی خواہش رکھتا ہے لیکن ایک بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اللہ کے ہاں سب سے بڑا اور معزز وہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے، نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے آدمی اپنے گھر سے دعوت کا کام شروع کرے، اپنی بیوی، بچے اور قریبی رشتے داروں کو اللہ کی طرف بلائے، گناہ کے کام کرنے سے روکے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے روکے، جہنم کے عذاب سے ڈرائے اور صوم وصلاۃ کا پابند بنائے، نیکی کے کاموں پر ابھارے اور خود بھی اس پر عمل کر کے دکھائے، پھر جا کر پڑوسیوں کو اور دیگر لوگوں کو جہاں تک ممکن ہو سکے اللہ کی طرف بلائے اور انہیں اللہ کا پیغام سنائے، اس طرح سے ایک مومن کو اللہ کی طرف سے بڑا مقام ملتا ہے اور وہ دنیا وآخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اس مناسبت سے وہاں موجود ڈاکٹر جلال الدین صاحب ناظم ضلعی جمعیت اہلحدیث بردوان، ضلعی خزانچی جناب شیخ قمر الزماں صاحب، جناب ابو القاسم صاحب، جناب حبیب اللہ صاحب، مولانا ذکریا صاحب، جناب ابو تراب صاحب، جناب شیخ سراج صاحب اور ۲۱ مقامی جمعیتوں کے امراء و نظماء سے مختلف موضوعات پر گفت وشنید بھی ہوئی۔اس طرح سے یہ دعوتی وتنظیمی پروگرام الحمد للہ بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوا۔(وحید الزماں تیمی، نائب ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث مغربی بنگال)

جماعتی خبریں

☆☆☆

مکتبہ ترجمان کی تازہ پیشکش

کتاب الآداب

مؤلف: فؤاد بن عبدالعزیز الشلهوب

مترجم: محمد نعیم محمد شفیع سلفی

تقدیم

مولانا اصغر علی امام مهدی سلفی

صفحات:665 قیمت:-/300

اہل حدیث منزل کی تعمیر وتکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے : (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292

خوشخبری خوشخبری

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا

کلینڈر 2023

جاذبِ نظر، خوشنما، ہر صفحہ اسلامی تعلیمات سے مزین، قابل دید

قرآنی آیات سے آراستہ اور اہم معلومات سے پُر کلینڈر

چھپ کر بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے۔

اپنا آرڈر پیشگی بک کرائیں۔

مکتبہ ترجمان

Ahle Hadees Manzil 4116, Urdu Bazar
Jama Masjid, Delhi-110006

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292
Ph:011-23273407,Fax:011-23246613